http://paksociety.com

آخری قسط

تبارک الذی

اُس بینکوئیٹ ہال کے اوپر والے فلور کے ایک کمرے کی ایک کھڑکی کے شیشوں سے ایک اور ٹیلی سکوپ رائفل بالکل اُسی طرح اُس ٹارگٹ کلر کو نشانہ بنائے اُلٹی گنتی گننے میں مصروف تھی۔ وہ چوتھا فلور تھا اور وہ کمرہ اس فلور کے سٹور رومز میں سے ایک تھا جہاں پر صفائی سُتھرائی اور اسی طرح کا سامان trollies میں بھرا پڑا تھا۔ جن لوگوں نے اُس بینکوئیٹ ہال میں اُس مہمان کے لئے اُس پیشہ ورانہ قاتل کا انتخاب کیا تھا اُن ہی لوگوں نے اُس قاتل کے لئے اس شخص کا انتخاب کیا تھا اور اُس جگہ کا بھی جہاں وہ 40 سالہ شخص رائفل کے ٹریگر پر انگلی رکھے آنکھیں اُس ٹارگٹ کلر پر لگائے بیٹھا تھا۔ اُس نے اس کمرے کو اندر سے لاک کر رکھا تھا۔ وہ ایک ٹرالی دھکیلتا ہوا اُس کمرے میں صبح کے وقت آیا تھا جب اُس floor کے کمروں کی house keeping ہو رہی تھی اور پھر وہ اپنی ٹرالی کو اندر رکھ کر باہر جانے کے بجائے خود بھی اندر ہی رہ گیا تھا۔ وقتاً فوقتاً کچھ اور بھی ٹرالیاں لانے والے اندر آتے اور جاتے رہے تھے اور اُس کے ساتھ ہیلو ہائے کا تبادلہ بھی کرتے رہے تھے، مگر کسی کو اُس پر شبہ نہیں ہوا تھا۔ ایک مقررہ وقت پر اُس نے سٹور روم کو اندر سے لاک کر لیا تھا کیونکہ اُسے پتہ تھا اب اُس فلور کو بھی وقتی طور پر سیل کیا جانا تھا جب تک وہ کانفرنس وہاں جاری تھی۔

سٹور روم کی کھڑکی کے شیشے میں اُس کی ٹیلی سکوپ رائفل کے لئے سوراخ پہلے سے موجود تھا جسے tape لگا کر وقتی طور پر بند کیا گیا تھا۔ اُس نے میں tape ہٹانے سے پہلے ایک دوسری ٹیلی سکوپ سے سڑک کے پاس اُس عمارت کے اُس فلیٹ کی اُس کھڑکی کو دیکھا اور پھر اُس پیشہ ور قاتل کو جو گھات لگانے کی تیاری کر رہا تھا۔ پھر اُس نے اپنی گھڑی کو دیکھ کر وقت کا اندازہ لگایا۔ ابھی بہت وقت تھا۔۔۔ اور اُس کی کھڑکی سے اُس پیشہ ور قاتل کی کھڑکی کا view بے حد زبردست تھا۔ وہ پہلا فائر مس بھی کر جاتا تو بھی وہ قاتل

اُس کی رینج میں رہتا۔۔۔ بھاگتے ہوئے بھی۔۔۔ کھڑکی سے ہٹنے کی کوشش کے دوران بھی۔۔۔ انہوں نے جیسے اُس کے لئے حلوہ بنا دیا تھا۔

اُسے یقین تھا اُس کھڑکی میں گھات لگانے کے بعد اُس پیشہ ور قاتل نے اُس ہوٹل کے اوپر نیچے کے ہر فلور کی کھڑکیوں کو اپنی ٹیلی سکوپک رائفل سے ایک بار جیسے کھوجا ہوگا۔۔۔ کہیں کوئی غیر معمولی حرکت یا شخص کو trace کرنے کی کوشش کی ہوگی، وہ ٹیلی سکوپک رائفل کھڑکی کے شیشے سے لگا کر بیٹھتا خود اُس کی نظر میں نہ آتا تب بھی اُس کی رائفل کی نال اُس کی نظر میں آ جاتی۔ اس لئے آخری منٹوں تک وہ کھڑکی کے پاس نہیں گیا تھا۔ اُسے اُس پیشہ ور قاتل پر ایک پہلا اور آخری کارگر shot فائر کرنے کے لئے گھنٹوں چاہیے بھی نہیں تھے۔ وہ بے حد close range میں تھا۔

اور اب بالکل آخری منٹوں میں اُس نے بالآخر تائفل کو اُس سوراخ میں ٹکایا تھا۔

اُسے اُس پیشہ ور قاتل کو اُس وقت مارنا تھا جب وہ فائر کر چکا ہوتا۔۔۔ اُس مہمان کو صرف مارنا ضروری نہیں تھا بلکہ اُس سازش کے سارے ثبوت مٹائے جانے بھی ضروری تھے۔

گھڑی کی سوئیاں جیسے بھاگتی جا رہی تھیں۔۔۔ ٹک۔۔۔۔۔۔ ٹک۔۔۔۔۔ ٹک کرتے۔۔۔ دو انگلیاں دو ٹریگر پر اپنا دباؤ بڑھا رہی تھیں

☆☆☆

حمین سکندر سے ہشام متاثر زیادہ تھا یا مرعوب۔۔۔ اُسے کبھی اندازہ نہیں ہوا تھا۔ مگر وہ اُس سے jealous تھا، اس کے بارے میں اُسے شبہ نہیں تھا۔

رئیسہ سے ملنے اور اُس کی فیملی کے بارے میں جاننے سے بھی پہلے وہ حمین سکندر کے بارے میں جانتا تھا۔۔۔ اپنے تقریباً ہم عمر اُس نوجوان کے بارے میں وہ اتنا ہی تجسس رکھتا تھا جتنا بزنس اور فائنانس کی دُنیا میں دلچسپی رکھنے والا کوئی بھی شخص۔

"ہشّام کا باپ امریکہ میں سفارت کاری کے دوران بھی بہت ساری کمپنیز چلا رہا تھا اور اُن کمپنیز میں سے کچھ کا واسطہ حمین سکندر کی کمپنیز سے بھی پڑتا تھا۔ وہ خود حمین سے رئیسہ سے متعارف ہونے سے پہلے کبھی نہیں ملا تھا لیکن اُس کا باپ مل چکا تھا اور اُس کا مداح تھا۔ اپنی زندگی کی دوسری دہائی کے اوائل میں وہ جن بزنس ٹائیکونز سے ڈیل کر رہا تھا، وہ عمر میں اس سے دو گنا نہیں چار گنا بڑے

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

تھے اس کے باوجود حمین سکندر کی بزنس اور فائنانس کی سمجھ بوجھ کو کوئی سوال نہیں کرتا تھا۔ وہ بولتا تھا تو لوگ سنتے تھے۔ بیان جاری کرتا تھا تو اُس پر تبصرے آتے تھے۔ پراڈکٹ پلان دیتا تھا تو یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ مارکیٹ میں نوٹس نہ ہو۔۔۔ اور business ventures کرتا تھا تو یہ ممکن نہیں تھا کہ ناکامی سے دوچار ہو۔۔۔ اور اس حمین سکندر سے متاثر ہونے والوں میں ایک ہشّام بھی تھا۔۔۔ متاثر بھی، مرعوب بھی لیکن اُس سے رقابت کا جذبہ اُس نے رئیسہ کی وجہ سے رکھنا شروع کیا۔ وہ لڑکی جس پر ہشّام جان چھڑکتا تھا۔ وہ صرف ایک شخص پر اندھا اعتماد کرتی تھی صرف ایک شخص کا حوالہ بار بار دیتی تھی اور بدقسمتی سے وہ شخص وہ تھا جس سے ہشّام پہلے ہی مرعوب تھا۔۔۔ پھر رقابت کے علاوہ کوئی اور جذبہ ہشّام اپنے دل میں محسوس کر ہی نہیں سکتا تھا۔ یہ جاننے کے باوجود کہ رئیسہ اُسے صرف ایک دوست اور بھائی سمجھتی تھی اور یہ جاننے کے باوجود کہ حمین کے بھی رئیسہ کے لئے احساسات ایسے ہی تھے۔۔

وہ رئیسہ سے متعارف ہونے کے بعد حمین سے چند بار سرسری طور پر مل چکا تھا۔ مگر یہ پہلا موقع تھا جب وہ اُس سے تنہا ملنے جا رہا تھا اور وہ بھی اُس کے گھر پر۔۔۔ وہ اب بحرین کا ولی عہد نہ ہوتا تو اُس شخص سے ملنے کے لئے جاتے ہوئے بے حد احساسِ کمتری کا شکار ہو رہا ہوتا۔ حمین سکندر کی کامیابی اور ذہانت کسی کو بھی اس احساس سے دوچار کر سکتی تھی۔

"نیویارک کے ایک مہنگے ترین علاقے میں ایک 57 منزلہ عمارت کی چھت پر بنے اُس pent house میں حمین سکندر نے بے حد گرم جوشی سے اُس کا استقبال کیا تھا۔ اُس کے ساتھ اب سائے کی طرح رہنے والے باڈی گارڈز اُس عمارت کے اندر نہیں آ سکتے تھے کیونکہ entrance پر visitors میں صرف ہشّام کا نام تھا۔۔۔ ولی عہد یا شاہی خاندان کے القابات کے بغیر۔

ان چند مہینوں میں پہلی بار His Royal Highness صرف ہشّام بن صباح کے طور پر پکارے گئے تھے۔۔۔ اُسے بُرا نہیں لگا، صرف عجیب لگا۔ وہ نام اُس کے پینٹ ہاؤس کے دروازے پر اندر داخلے کے وقت حمین نے اور بھی چھوٹا کر دیا تھا۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم بالکل وقت پر آئے ہو ہشّام۔" اُس سے مصافحہ کرتے ہوئے ایک سیاہ ٹراؤزر اور سفید ٹی شرٹ میں ملبوس حمین سکندر نے کہا تھا۔

وہ اتوار کا ایک دن تھا اور وہ لنچ کے بعد مل رہے تھے۔ وہ دُنیا کے امیر ترین نوجوانوں میں سے ایک کے گھر پر تھا اور ہشّام کا خیال تھا اُس pent house میں بھی وہی سب لوازمات ہوں گے جو وہ اپنے خاندانی محلات اور اپنے سوشل سرکل میں دیکھتا آیا تھا۔۔۔ پر تعیش رہائش گاہ جہاں پر دُنیا کی ہر آسائش ہو گی، ہر طرح کے لوازمات کے ساتھ۔ بہترین interior فرنیچر، شو پیسز، ل، bars اور

http://paksociety.com

دُنیا کی بہترین سے بہترین شراب۔۔۔اُس کا خیال تھا نیویارک کے اُس مہنگے ترین علاقے میں اُس pent house میں حمین سکندر نے ایک دنیاوی جنّت بسا رکھی ہو گی کیونکہ ہشّام ایسی جنّتیں دیکھتا آیا تھا۔

"حمین سکندر کے اُس pent house میں کچھ بھی نہیں تھا۔ بہت مختصر تقریباً نہ ہونے کے برابر فرنیچر۔۔۔دیواروں پر چند کیلی گرافی کے شاہکار۔۔۔اور کچن کاؤنٹر پر ایک رحل میں کُھلا قرآن پاک جس کے قریب پانی کا ایک گلاس اور کافی کا ایک مگ تھا۔

"ہشّام بن صباح عجیب ہیبت میں آیا تھا، اُس شخص کی جس سے وہ "مل" رہا تھا، جسے بزنس اور فائنانس کی دنیا کا guru نہیں جن مانا جاتا تھا اور جس کے کروڑوں روپے کے اُس pent house میں دکھاوے کے لئے بھی رکھی جانے والی چیز قرآن پاک تھا۔۔۔وہ سالار سکندر کا خانوادہ تھا۔

"یہ میرے دادا کا دیا ہوا قرآن پاک ہے، اِسے ہمیشہ ساتھ رکھتا ہوں میں۔۔۔گھر پر تھا، فرصت بھی تو تمہارے آنے سے پہلے پڑھ رہا تھا۔" حمین نے رحل پر رکھے قرآن پاک کو بند کرتے ہوئے کہا۔

"بیٹھو" وہ اب ہشّام سے کہہ رہا تھا اُس کو اُس کاؤنٹر کے قریب پڑے کچن سٹولز کے بجائے لاؤنج میں پڑے صوفوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے۔۔۔

وہ پورا pent house اُس وقت دھوپ سے چمک رہا تھا۔ سفید انٹیریئر میں گلاس سے چھن چھن کر آتی ہوئی روشنی کی کرنیں اُن صوفوں تک بھی آرہی تھیں جن پر اب وہ بیٹھے ہوئے تھے۔ ہشّام بن صباح شاہی محل کے تخت پر بیٹھ کر آیا تھا۔ مگر اُس کے سامنے صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھے ہوئے شخص کے جیسا طمطراق اُس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

بات کا آغاز مشکل ترین تھا اور بات کا آغاز حمین نے کیا تھا، اُسے چائے کافی کی آفر کے ساتھ۔

"کافی" اُس نے جواباً آفر قبول کرتے ہوئے کہا۔ حمین اُٹھ کر اب سامنے کچن ایریا میں کافی میکر سے کافی بنانے لگا۔

"رئیسہ سے تمہارا بہت ذکر سُنا ہے میں نے اور ہمیشہ اچھا۔" وہ کافی بناتے ہوئے اُس سے کہہ رہا تھا۔

"میں نے بھی۔" ہشّام کہے بغیر نہیں رہ سکا۔ حمین کافی انڈیلتے ہوئے مسکرایا اور اُس نے کہا "I am not surprised"

وہ اب کافی کے دو مگ اور کوکیز کی ایک پلیٹ ایک ٹرے میں رکھے واپس آکر بیٹھ گیا تھا۔

ہشّام نے کچھ کہے بغیر کافی کا اپنا مگ اُٹھایا، حمین نے ایک کوکی۔۔۔

"تم مجھ سے ملنا چاہتے تھے۔۔۔" کوکی کو کھانا شروع کرنے سے پہلے اُس نے جیسے ہشّام کو ایک reminder دیا۔۔۔

"ہاں۔۔۔" ہشّام کو یک دم کافی پینا مشکل لگنے لگا تھا جس مسئلے کے لئے وہ وہاں آیا تھا، وہ مسئلہ پھر گلے کے پھندے کی طرح یاد آیا

تھا۔

"میں رئیسہ سے بہت محبت کرتا ہوں۔" اُس نے بالآخر اُس جملے سے آغاز کیا جس جملے سے وہ آغاز کرنا نہیں چاہتا تھا۔

"Good" حمین نے بے حد اطمینان سے جیسے کوکی کو نگلنے سے پہلے یوں کہا جیسے وہ اُس کا چیس کا سکور تھا۔

"میں اُس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" ہشّام نے اگلا جملہ ادا کیا۔ اُسے اپنا آپ عجیب چغد محسوس ہو رہا تھا اُس وقت۔

"میں جانتا ہوں۔" حمین نے کافی کا پہلا سپ لیتے ہوئے کہا "مگر سوال یہ ہے کہ یہ کرو گے کیسے؟" اُس نے جیسے ہشّام کی مدد کرتے ہوئے کہا۔ وہ اُسے سیدھا اُس موضوع پر بات کرنے کے لئے لے آیا تھا جس پر بات کرنے کے لئے وہ آیا تھا۔ ہشّام اگلے کئی لمحے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھتا رہا یہاں تک کہ حمین کو اُس پر ترس آنے لگا تھا۔

"اگر تم میری جگہ ہوتے تو کیا کرتے؟" ہشّام نے یک دم اُس سے پوچھا۔ حمین کے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

"جو میں کرتا، وہ تم کرنے کی جرأت بھی نہیں کرسکتے۔" حمین نے جواباً کہا۔ ہشام کو عجیب سی ہتک محسوس ہوئی۔۔۔ وہ اُسے چیلنج کر رہا تھا۔

"تم بتائے بغیر مجھے judge نہیں کرسکتے۔" اُس نے حمین سے کہا۔ "ٹھیک ہے بتا دیتا ہوں۔" حمین نے کافی کا کپ رکھتے ہوئے کہا۔

"رئیسہ کو چھوڑ دینے کے علاوہ کوئی بھی حل بتا دو مجھے میرے مسئلے کا۔" پتہ نہیں اُسے کیا وہم ہوا تھا کہ حمین کے بولنے سے پہلے وہ ایک بار پھر بول اُٹھا تھا۔ حمین اس بار مسکرایا نہیں، صرف اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتا رہا۔

"میں اگر تمہاری جگہ ہوتا تو۔۔۔۔۔"

☆☆☆☆

امامہ جبریل کا چہرہ دیکھ کر رہ گئی تھی۔ اُسے کچھ دیر کے لئے جیسے اُس کی باتیں سمجھنا ہی مشکل ہوگیا تھا۔ اُس نے جو عنایہ اور عبداللہ کے حوالے سے کہا، جو احسن اور عبداللہ کے حوالے سے اور جو اپنے اور عائشہ کے حوالے سے، وہ سب کچھ عجیب انداز میں اُس کے دماغ میں گڈمڈ ہوگیا تھا۔

"مجھے کچھ سمجھ ہی نہیں آرہا جبریل۔" وہ بالآخر اُس سے کہے بغیر نہیں رہ سکی۔ "ممّی۔۔۔۔۔ "I am sorry" جبریل کو بے اختیار اس کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ ہوا کہ اُس نے ماں کو پریشان اور حواس باختہ کر دیا تھا۔ زندگی میں پہلی بار وہ ماں کو کسی لڑکی کے حوالے سے اپنے کسی "افیئر" کی بات کر رہا تھا وہ بھی ایک ایسا معاملہ جس میں اُس پر الزامات لگائے جا رہے تھے۔۔۔ عائشہ عابدین کون تھی، امامہ نے زندگی میں کبھی اُس کا نام نہیں سُنا تھا اور جبریل پر کیوں اُس کے ساتھ انوالوڈ ہونے کا الزام ایک ایسا

شخص لگا رہا تھا جو اُس کے ہونے والے داماد کے لئے ایک inspiration کی حیثیت رکھتا تھا۔۔۔اور جبریل کیوں رعنایہ کی شادی عبداللہ کے ساتھ کرنے کے اچانک خلاف ہو گیا تھا جبکہ ماضی میں ہمیشہ وہی تھا جو امامہ کو عبداللہ کے حق میں قائل کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔

"میں یہ سب آپ سے شیئر نہیں کرنا چاہتا تھا، لیکن اب اس کے علاوہ اور کوئی حل سمجھ میں نہیں آرہا مجھے۔" وہ شرمندہ زیادہ تھا یا پریشان، اندازہ لگانا مشکل تھا۔ لیکن اس سب میں عنایہ اور عبداللہ کا کیا قصور ہے؟

"ممّی اگر وہ اُس شخص کے زیرِ اثر ہے تو وہ بیوی کے ساتھ رویے کے لحاظ سے بھی ہو گا۔۔۔جو کچھ میں نے احسن سعد کو عائشہ کے ساتھ کرتے دیکھا ہے، وہ میں اپنی بہن کے ساتھ ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔" جبریل نے غیر مبہم لہجے میں کہا۔

"تم نے عنایہ سے بات کی ہے؟" امامہ نے بے حد تشویش سے اُس سے پوچھا۔ "ہاں میں نے کی ہے اور وہ بہت اپ سیٹ ہوئی ہے، لیکن اُس نے کچھ بھی نہیں کہا۔ میں نہیں جانتا وہ کیا سوچ رہی ہے۔" جبریل کہہ رہا تھا، امامہ اُس کا چہرہ دیکھ رہی تھی، اُس نے جبریل کو کبھی اس طرح پریشان اور اس طرح کسی معاملے پر سٹینڈ لیتے نہیں دیکھا تھا۔

"اتنے مہینے سے عائشہ عابدین کا مسئلہ چل رہا ہے، تم نے پہلے کبھی مجھے اس کے بارے میں کیوں نہیں بتایا؟" وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکی۔ وہ بے حد سنگین الزامات تھے جو جبریل پر کسی نے لگائے تھے اور اپنی اولاد پر اندھا اعتماد ہونے کے باوجود امامہ ہل کر رہ گئی تھی۔ زندگی میں پہلی بار اُسے اپنی اولاد کے حوالے سے ایسی کسی بات کو سُننا پڑ رہا تھا، وہ بھی جبریل کے بارے میں۔۔۔حمین کے حوالے سے کوئی بات وہ سُنتی تو شاید پھر بھی اُس کے لئے غیر متوقع نہ ہوتی، وہ حمین سے کچھ بھی توقع کر سکتی تھی، لیکن جبریل۔۔۔

"بتانے کے لئے کوئی بات تھی ہی نہیں ممّی۔۔۔" جبریل نے جیسے صفائی دینے کی کوشش کی۔

"ایک دوست کی بہن ہے وہ۔۔۔دوست نے اُس کی مدد کرنے کے لئے کہا اور میں اس لئے considerate تھا کیونکہ مجھے لگا آپریشن میں کچھ غلطی ہوئی ڈاکٹر ویزل سے۔۔۔اگرچہ اُس میں میرا قصور نہیں تھا پھر بھی میں اُس سے ہمدردی رکھ رہا تھا۔۔۔مجھے یہ تھوڑی پتہ تھا کہ ایک psycho آکر خوامخواہ میں مجھے اپنی ex-wife کے ساتھ انوالو کرنے کی کوشش کرے گا۔" وہ کہتا جا رہا تھا۔

"That man is۔۔۔" جبریل کہتے کہتے رُک گیا، یوں جیسے اُس کے پاس احسن سعد کو بیان کرنے کے لئے لفظ ہی نہ رہے ہوں۔

"تمہارے پاپا سے بات کرنی ہو گی ہمیں۔۔۔اتنا بڑا فیصلہ ہم خود نہیں کر سکتے۔" امامہ نے اُس کی بات ختم ہونے کے بعد کہا۔

"فیصلہ بڑا ہو یا چھوٹا، ممّی میں عنایہ کی عبداللہ سے شادی نہیں ہونے دوں گا۔" جبریل نے شاید زندگی میں پہلی بار امامہ سے کسی بات

پر ضد کی تھی۔

"کسی دوسرے کے جرم کی سزا ہم عبداللہ کو تو نہیں دے سکتے جبریل۔۔۔" امامہ نے مدھم آواز میں اُسے سمجھانے کی کوشش کی

عبداللہ میری ذمہ داری نہیں ہے، عنایہ ہے۔۔۔ میں رسک نہیں لے سکتا اور نہ ہی آپ کو لینا چاہیے۔" وہ ماں کو جیسے خبر دار کر رہا تھا اور امامہ اب واقعی پریشان ہونے لگی تھی۔

"تمہارے بابا جو بھی فیصلہ کریں گے، وہ بہتر فیصلہ ہوگا۔۔۔ اور تم ٹھیک کہتے ہو ہم عنایہ کے لئے کوئی رسک نہیں لے سکتے، لیکن ہم عبداللہ کی بات سُنے بغیر اس طرح اُس سے قطع تعلق بھی نہیں کر سکتے۔" امامہ نے کہا "عبداللہ سے ایک بار بات کرنی چاہیے۔

جبریل کچھ ناخوش ہو کر اُٹھ کر جانے کے لئے کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ دروازے کے قریب پہنچا جب امامہ نے اُسے پکارا، وہ پلٹا۔

"ایک بات پوری ایمانداری سے بتانا مجھے۔" وہ ماں کے سوال اور انداز دونوں پر حیران ہوا۔

"تم عائشہ عابدین کو پسند کرتے ہو؟" جبریل ہل نہیں سکا۔ "جی؟"

☆☆☆☆

"وہ عنایہ کے کہنے پر عائشہ عابدین سے ملنا آیا تھا، یقین اور بے یقینی کی ایک عجیب کیفیت میں جھولتے ہوئے۔۔۔ وہ اسلام سے ایک بچے کے طور پر متعارف ہوا تھا، ایک بچے کے طور پر متاثر۔۔۔ وہ ایک ایسے خاندان کے ذریعہ اُس مذہب کے سحر میں آیا تھا جیسے لوگ اُس نے دیکھے ہی نہیں تھے۔۔۔ اُن کی نرمی، فیاضی اور ہمدردی نے ایرک کا وجود نہیں دل اپنی مٹّھی میں کیا تھا اور اتنے سالوں میں وہ اسلام کی اسی روشن خیالی، اسی فیاضی اور نرمی کو ہی idealize کر تا رہا تھا۔ اور اب وہ اپنے mentor کے بارے میں ایسی باتیں سُن رہا تھا جو اُس کے لئے ناقابلِ یقین تھیں، وہ اُس نے عنایہ کی زبان سے نہ سُنی ہوتیں تو وہ اُنہیں جھوٹ کے پلندے کے علاوہ اور کچھ بھی نہ سمجھتا۔۔۔ ڈاکٹر احسن سعد وہ نہیں ہو سکتے تھے اور وہ نہیں کر سکتے تھے، جس کا الزام عنایہ اُن پر لگا رہی تھی۔

عنایہ نے امریکہ پہنچنے کے فوراً بعد اُسے کال کر کے بلوایا تھا، اور پھر احسن سعد کے معاملے کو اُس سے ڈسکس کیا تھا، جبریل پر ڈاکٹر احسن کے الزامات کو بھی اور عائشہ عابدین کے ساتھ ہونے والے معاملات کو بھی۔۔۔ وہ یقین کرنے پر تیّار نہیں تھا کہ احسن سعد، اتنا بے حس اور جھوٹا ہو سکتا تھا مگر جس پر وہ الزامات لگ رہے تھے اُس کے بارے میں بھی عبداللہ قسم کھا سکتا تھا کہ وہ یہ نہیں کر سکتا۔

"دونوں کے درمیان بحث ہوئی پھر تکرار اور پھر اُن کی زندگی کا پہلا جھگڑا۔۔۔ دو بے حد ٹھنڈے اور دھیمے مزاج کے لوگوں میں۔ میں یقین نہیں کر سکتا۔۔۔ میں یقین نہیں کر سکتا۔۔۔ ڈاکٹر احسن سعد عملی مسلمان ہیں۔۔۔ نماز کی امامت کرواتے ہیں، وہ اپنی

http://paksociety.com

بیوی کے ساتھ یہ سلوک کریں گے۔۔۔ یہ سب۔۔۔؟؟ اور بغیر وجہ کے۔۔۔ میں مان ہی نہیں سکتا۔۔۔ میں مان ہی نہیں سکتا۔؛ وہ اس کے علاوہ کچھ کہتا بھی تو کیا کہتا۔

"تو جاؤ، تم پھر عائشہ سے مل لو اور خود پوچھ لو کہ کیا ہوا تھا اُس کے ساتھ لیکن میرا بھائی جھوٹ نہیں بول سکتا۔۔۔" عنایہ نے بھی جواباً بے حد خفگی سے کہا تھا۔

ملاقات کا اختتام بے حد تلخ نوٹ پر ہوا تھا، اور اُس وقت پہلی بار عنایہ کو احساس ہوا کہ جبریل کے خدشات بے جا نہیں تھے۔ عبد اللہ اگر اس حد تک احسن سعد سے متاثر تھا تو اُن دونوں کے تعلق میں یہ اثر بہت جلد رنگ دکھانے لگتا۔ وہ عبد اللہ سے مل کر بہت ڈسٹرب ہو کر آئی تھی۔ وہ مصیبت جو کسی اور کے گھر میں تھی اُن کی زندگی میں ایسے آئی تھی کہ اُنہیں اندازہ بھی نہیں ہوا تھا۔

عبد اللہ نے اُس سے ملنے کے بعد اُسے کال نہیں کی تھی، اُس نے جبریل کو کال کی تھی۔۔۔ ایک بے حد شکایتی کال۔۔۔ یہ پوچھنے کے لئے کہ وہ احسن سعد کے حوالے سے یہ سب کیوں کہہ رہا تھا، کیا وہ نہیں جانتا تھا احسن کتنا اچھا انسان اور مسلمان تھا۔ وہ بہت دیر جبریل کی بات سُنے بغیر بے حد جذباتی انداز میں بولتا ہی چلا گیا تھا۔ جبریل سُنتا رہا تھا۔ وہ اُس کی زندگی کے مشکل ترین لمحات میں سے ایک تھا۔ ایک نو مسلم کو یہ بتانا کہ اُس کے سامنے جو سب سے زیادہ عملی مسلمان تھا، وہ اچھا انسان ثابت نہیں ہوا تھا۔۔۔ وہ عبد اللہ کا دل مسلمانوں سے نہیں اُٹھانا چاہتا تھا، خاص طور پر اُن مسلمانوں سے جو تبلیغ کا کام کر رہے تھے۔۔۔ وہ ایک حافظِ قرآن ہو کر ایک دوسرے حافظِ قرآن کے بارے میں ایک نو مسلم کو یہ نہیں کہنا چاہتا تھا کہ وہ جھوٹا تھا، ظالم تھا، بہتان لگانے والا ایک لالچی انسان تھا اس کے باوجود کہ وہ صوم و صلوۃ کا پابند ایک مسلمان تھا۔۔۔ جبریل سکندر کا مخمصہ ایک بڑا مخمصہ تھا مگر اُس کی خاموشی اُس سے زیادہ خرابی کا باعث بنتی تو وہ خاموش نہیں رہ پایا تھا۔

"احسن سعد کے بارے میں جو میں جانتا ہوں اور جو میں کہوں گا، تم پھر اُس سے hurt ہو گے اس لئے سب سے بہترین حل یہ ہے کہ تم اُس عورت سے جا کر ملو اور وہ سارے documents دیکھو جو اُس کے پاس ہیں۔" اُس نے عبد اللہ کی باتوں کے جواب میں اُسے کہا تھا۔

"اور اب عبد اللہ یہاں تھا عائشہ عابدین کے سامنے اُس کے گھر پر۔۔۔ وہ جبریل کے ریفرنس سے آیا تھا۔ عائشہ عابدین اُس سے ملنے سے انکار نہیں کر سکی۔ وہ اُس رات آن کال تھی اور اب گھر سے نکلنے کی تیاری کر رہی تھی جب عبد اللہ وہاں پہنچا تھا اور وہ وہاں اب اُس کے سامنے بیٹھا اُسے بتا رہا تھا کہ اُس کی منگیتر نے احسن سعد کے حوالے سے کچھ شبہات کا اظہار کیا تھا خاص طور پر عائشہ عابدین کے حوالے سے اور وہ اُن الزامات کی تصدیق یا تردید کے لئے وہاں آیا تھا۔۔۔ لیکن یہ کہنے سے پہلے اُس نے عائشہ کو بتایا تھا کہ وہ احسن سعد کو کیا درجہ دیتا تھا اور اُس کی زندگی کے پچھلے کچھ سالوں میں وہ اُس کے لئے ایک رول ماڈل رہے تھے، وہ جیسے ایک "بُت"

http://paksociety.com

لے کر عائشہ عابدین کے پاس آیا تھا جسے ٹوٹنے سے بچانے کے لئے وہ کسی بھی حد تک جا سکتا تھا اور گفتگو کے شروع میں ہی اتنی لمبی تمہید جیسے ایک حفاظتی دیوار تھی جو اُس نے صرف اپنے سامنے ہی نہیں، عائشہ عابدین کے سامنے بھی کھڑی کر دی تھی۔ اُس نے بھی جبریل جیسی ہی خاموشی کے ساتھ اُس کی باتیں سُنی تھیں۔۔۔ بے حد تحمل اور سکون کے ساتھ۔۔۔ کسی مداخلت یا اعتراض کے بغیر۔۔۔ عبد اللہ کو کم از کم اُس سے یہ توقع نہیں تھی۔۔ وہ یہاں آنے سے پہلے عائشہ عابدین کا ایک image ذہن میں رکھ کر آیا تھا۔ وہ پہلی نظر میں بھی اُس image پر پوری نہیں اُتری تھی۔ بے حجاب ہونے کے باوجود اُس میں عبد اللہ کو بے حیائی نہیں دکھی تھی۔ بے حد سادہ لباس میں میک اپ سے بے نیاز چہرے والی ایک بے حد حسین لڑکی جس کی آنکھیں اُداس تھیں اور جس کی آواز بے حد دھیمی۔۔۔ عبد اللہ وہاں ایک تیز طرّار، بے حد فیشن ایبل الٹرا ماڈرن عورت سے ملنے کی توقع لے کر آیا تھا جسے اُس کے اپنے خیال اور ڈاکٹر احسن سعد کے بتائے ہوئے کردار کے مطابق بے حد قابلِ اعتراض حلیے میں ہونا چاہیے تھا۔ مگر عبد اللہ کی قسمت میں شاید اور حیران ہونا باقی تھا۔

"عنایہ اور جبریل دونوں نے اُسے کہا تھا کہ وہ اُسے documents دکھائے گی، احسن سعد سے طلاق کے کاغذات، قانونی کارروائی کے کاغذات، کورٹ کی judgement، کسٹڈی کی تفصیلات اور وہ حقائق جو صرف وہی بتا سکتی تھی، عائشہ عابدین نے ایسا کچھ بھی نہیں کہا تھا۔

"احسن سعد بُرا شخص نہیں ہے، صرف میں اور وہ compatible میں نہیں کرتی؟ نہیں تھے اس لئے شادی نہیں چلی۔" تقریباً دس منٹ تک اُس کی بات سننے کے بعد عائشہ نے بے حد مدھم آواز میں اُسے کہا تھا۔

"وہ یقیناً اتنے ہی اچھے مسلمان ہیں، جتنا آپ اُسے سمجھتے ہیں اور اُس میں بہت ساری خوبیاں ہیں۔۔۔ آپ بڑے خوش قسمت ہیں کہ آپ کا واسطہ اُن کی خوبیوں سے پڑا۔۔۔ میں شاید اتنی خوش قسمت نہیں تھی یا پھر مجھ سے کوتاہیاں سرزد ہوئی ہوں گی۔" وہ کہہ رہی تھی اور عبد اللہ کے دل کو جیسے تسلی نہیں ہو رہی تھی، یہ وہ کچھ نہیں تھا جو وہ سُننا چاہتا تھا لیکن وہ بھی نہیں تھا جس کی اُسے توقع تھی۔

وہ آپ کے لئے ایک inspiration اور رول ماڈل ہیں۔۔۔ یقیناً ہوں گے۔۔۔" وہ کہہ رہی تھی" کوئی انسان perfect نہیں ہوتا۔۔۔ مگر چند غلطیاں کرنے پر ہم کسی کو نظروں سے نہیں گرا سکتے۔۔۔ میرے اور احسن سعد کے درمیان جو بھی ہوا، اُس میں اُن سے زیادہ میری غلطی ہے۔۔۔ اور آپ کے سامنے میں اُن کے بارے میں کچھ بھی کہہ کر وہ غلطی پھر سے دہرانا نہیں چاہتی۔" عائشہ نے بات ختم کر دی تھی۔ عبد اللہ اُس کی شکل دیکھتا رہ گیا تھا۔ اُسے تسلی ہونی چاہیے تھی، نہیں ہوئی۔۔۔ وہ وہاں احسن سعد

کے بارے میں کچھ جاننے اور کھوجنے نہیں آیا تھا اُس کو defend کرنے آیا تھا، اُس عورت کے سامنے جو اُس کی تذلیل اور تضحیک اور دل شکنی کا باعث بنی تھی لیکن اُس عورت نے جیسے اُس کے سامنے کوئی گنجائش ہی نہیں چھوڑی تھی کسی صفائی، کسی وضاحت کی۔ اُس نے ہر غلطی، ہر گناہ خاموشی سے اپنے کھاتے میں ڈال لیا تھا۔

"اُس کے لاؤنج میں بیٹھے عبداللہ نے دیواروں پر لگی اُس کے بیٹے کی تصویریں دیکھی تھیں۔۔۔ اُس کے کھلونوں کی۔۔۔ ایک چھوٹا ساصاف سُتھرا گھر۔۔۔ ویسی جگہ نہیں جیسا وہ اُسے تصوّر کر کے آیا تھا، کیوں کہ احسن سعد نے اُسے اس عورت کے "پھوہڑ پن" کے بھی بہت قصّے سنا رکھے تھے جو احسن سعد کے گھر کو چلانے میں ناکام تھی، جس کا واحد کام اور مصروفیت TV دیکھتے رہنا یا آوارہ پھرنا تھا اور جو گھر کا کوئی کام کرنے کے لئے کہنے پر بھی برہم ہو جاتی تھی۔ عبداللہ کے دماغ میں گرہیں بڑھتی ہی چلی جا رہی تھیں۔ وہ اُس لڑکی سے نفرت نہیں کر سکا۔۔۔ اُسے ناپسند نہیں کر سکا۔

جبریل سے آپ کا کیا تعلق ہے؟ وہ بالآخر ایک آخری سوال پر آگیا تھا جہاں سے یہ سارا مسئلہ شروع ہوا تھا۔
میں اُس سے پیار کرتی ہوں۔ وہ اُس کے سوال پر بہت دیر خاموش رہی پھر اُس نے عبداللہ سے کہا۔۔۔ سر اُٹھا کر نظریں چرائے بغیر۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆

"I met your ex-wife" وہ جملہ نہیں تھا جیسے ایک بم تھا جو اُس نے احسن سعد کے سر پر پھوڑا تھا۔

عبداللہ پچھلی رات واپس پہنچا تھا اور اگلے دن ہاسپٹل میں اُس کی ملاقات احسن سے ہوئی تھی۔۔۔ اُسی طرح ہشاش بشّاش، بااخلاق، پرجوش۔۔۔ عبداللہ کے کانوں میں عنایہ اور جبریل کی آوازیں اور انکشافات گونجنے لگے تھے۔ اُس نے احسن سے ملاقات کا وقت مانگا تھا جو بڑی خوش دلی سے دیا گیا تھا۔ وہ دونوں ایک ہی اپارٹمنٹ کی بلڈنگ میں رہتے تھے۔ احسن کے والدین اُس کے ساتھ رہتے تھے، اس لئے وہ ملاقات اپنے گھر پر کرنا چاہتا تھا مگر احسن اُس شام کچھ مصروف تھا تو عبداللہ کو اُس ہی کے اپارٹمنٹ پر جانا پڑا، وہاں اُس کی ملاقات احسن کے والدین سے ہوئی تھی ہمیشہ کی طرح ایک رسمی ہیلو ہائے۔۔۔ احسن لاؤنج میں بیٹھے بٹھائے اُس سے بات کرنا چاہتا تھا مگر عبداللہ نے اُس سے علیحدگی میں ملنا چاہا تھا اور تب وہ اُسے اپنے بیڈروم میں لے آیا تھا مگر وہ کچھ اُلجھا ہوا تھا۔ عبداللہ کا رویہ کچھ عجیب تھا مگر احسن سعد کی چھٹی حس اُسے اُس سے بھی بُرے سگنلز دے رہے تھے اور وہ بالکل ٹھیک تھے۔ عبداللہ نے کمرے کے اندر آتے ہی گفتگو کا آغاز اسی جملے سے کیا تھا اور احسن سعد کا لہجہ، انداز اور تاثرات پلک جھپکتے میں بدلے تھے۔ عبداللہ

نے زندگی میں پہلی بار اُس کی یہ آواز سُنی تھی۔ وہ لہجہ بے حد خشک اور سرد تھا۔۔ Rude بہتر لفظ تھا اُسے بیان کرنے کے لئے۔۔۔ اور اُس کے ماتھے پر بل آئے تھے۔۔۔ آنکھوں میں کھا جانے والی نفرت۔۔۔ بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ اُس نے عبداللہ سے کہا۔

"کیوں؟" عبداللہ نے بے حد مختصر الفاظ میں اُسے بتایا کہ عنایہ نے اُس سے کہا تھا کہ جبریل اُس کی شادی عبداللہ سے نہیں کرنا چاہتا اور اُس کے انکار کی وجہ احسن سعد سے اُس کا قریبی تعلق تھا۔ اُس نے احسن سعد کو بتایا کہ عنایہ اور جبریل دونوں نے اُس پر سنگین الزامات لگائے تھے اور اُسے عائشہ عابدین سے ملنے کے لئے کہا جو اُس کے لئے ضروری ہو گیا تھا۔
"تو تم نے اُن پر اعتبار کیا۔۔۔ اپنے اُستاد پر نہیں۔۔۔ اور تم مجھ سے بات یا مشورہ کئے بغیر اُس کُتیا سے ملنے چلے گئے۔۔۔ اور تم دعویٰ کرتے ہو کہ تم نے مجھ سے سب کچھ سیکھ لیا۔" احسن نے اُس کی گفتگو کے درمیان ہی اُس کی بات بے حد خشمگیں لہجے میں کاٹی تھی، عبداللہ بات ویسے بھی کرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اُس نے احسن سعد کی زبان سے ابھی ابھی ایک گالی سُنی تھی عائشہ وہ گالی اُس کے لئے شاکنگ نہیں تھی، احسن سعد کی زبان سے اُس کا نکلنا شاکنگ تھا۔ مگر وہ شام عبداللہ کے عابدین کے لئے۔۔۔ لئے وہ آخری شاک لانے والی نہیں تھی۔۔۔ وہ جس بُت کی پوجا کر رہا تھا، وہ وہاں اُس بُت کو اوندھے منہ گرتے دیکھنے آیا تھا۔

"تمہیں کوئی حق نہیں تھا کہ تم میری سابقہ بیوی سے ملتے۔۔۔ میرے بارے میں اس طرح investigation کرتے، تم اُس "۔۔۔۔۔"، "۔۔۔"، "۔۔۔" کے پاس پہنچے جس نے تمہیں میرے بارے میں جھوٹ پہ جھوٹ بولا ہو گا۔

احسن سعد کے جملوں میں اب عائشہ کے لئے گالیاں اس طرح آ رہی تھیں جیسے وہ اُسے مخاطب کرنے کے لئے روزمرّہ کے القابات تھے۔۔۔ وہ غصّے کی شدت سے بے قابو ہو رہا تھا، عائشہ کی نفرت اُس کے لئے سنبھالنا مشکل ہو رہی تھی یا اپنا سالوں کا بنایا ہوا image مسخ ہونے کی تکلیف نے اُسے اس طرح بلبلانے پر مجبور کر دیا تھا، عبداللہ سمجھنے سے قاصر تھا۔

"وہ دکھانے بیٹھ گئی ہو گی تمہیں کورٹ کے کاغذات کو، یہ دیکھو کورٹ میرے شوہر کو جھوٹا کہہ رہی ہے۔۔۔ کورٹ نے مجھ پر مار پیٹ کے الزامات کو مانا ہے، کورٹ نے احسن سعد کو دوسری شادی کرنے کے لئے اُسے دھوکہ باز کہا ہے اور اس لئے اُس۔۔۔۔۔ عورت کے طلاق کے مطالبے کو جائز قرار دیتے ہوئے اُسے طلاق دلوا دی اور بچے کی کسٹڈی بھی۔۔۔" وہ بولتا ہی جا رہا تھا اور عبداللہ ساکت صرف اُسے سُن رہا تھا۔ وہ سارے انکشافات جن کو سُننے کے لئے جبریل نے اُسے عائشہ کے پاس بھیجا تھا، وہ الزامات وہ خود احسن سعد سے سُن رہا تھا۔

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

"میں اس ملک کے courts کو دو ٹکے کا نہیں سمجھتا۔۔۔ یہ کافروں کی عدالتیں ہیں، اسلام کو کیا سمجھتی ہوں گی، وہ فیصلے دیتی ہیں جو شریعہ کے خلاف ہیں۔۔۔ میرا مذہب حق دیتا ہے مجھے دوسری شادی کا۔۔۔ کسی بھی وجہ کے بغیر تو کورٹ کون ہوتی ہے مجھے اس عمل پر دھوکہ باز کہنے والی۔۔۔ مجھے حق ہے کہ میں ایک نافرمان بیوی کو مار پیٹ سے راہِ راست پر لاؤں۔۔۔ کورٹ کس حق کے تحت مجھے اس سے روک سکتا ہے۔۔۔ میں مرد ہوں، مجھے میرے دین نے عورت پر برتری دی ہے۔۔۔ کورٹ کیسے مجھے مجبور کر سکتی ہے کہ میں اپنی بیوی کو برابری دوں۔۔۔ اِن ہی چیزوں کی وجہ سے تو تمہارا معاشرہ تباہ ہو گا۔۔۔ بے حیائی، عُریانی، منہ زوری، مرد کی نافرمانی۔۔۔ یہی چیزیں تو لے ڈوبی ہیں تمہاری عورتوں کو۔۔۔ اور تمہارے کورٹس کہتے ہیں ہم بھی بے غیرت ہو جائیں اور ان عورتوں کو بسائیں اور اُن کے پیچھے کُتے کی طرح دُم ہلاتے پھریں۔

"وہ شخص کون تھا، عبداللہ پہچان ہی نہیں پا رہا تھا۔۔۔ اتنا زہر، ایسا تعصّب، ایسے الفاظ اور یہ سوچ۔۔۔ اُس نے ڈاکٹر احسن سعد کے اندر یہ چھپا انسان تو کبھی نہیں دیکھا تھا جو امریکہ کو ہمیشہ اپنا ملک قرار دیتے ہوئے اپنے آپ کو ایک proud American کہتا تھا اور آج وہ اُسے تمہارا ملک، تمہارا معاشرہ، تمہارے کورٹس کہہ کہہ کر بات کر رہا تھا۔۔۔ اُمّت اور اخوّت کے جو دو لفظ اُس کا کلمہ تھے وہ دونوں یک دم کہیں غائب ہو گئے تھے۔

"اب طلاق منہ پر مار کر میں نے اُس حرّافہ کو چھوڑا ہوا ہے تو خوار ہوتی پھر رہی ہے۔۔۔ کسی کی keep اور گرل فرینڈ ہی رہے گی وہ ساری عمر، کبھی بیوی نہیں بنے گی۔۔۔ اُسے یہی آزادی چاہیے، تمہاری سب عورتوں کو یہی سب چاہیے۔۔۔ گھر، خاندان، چار دیواری کس چڑیا کے نام ہیں اُنہیں کیا پتہ۔۔۔ عصمت جیسا لفظ اُن کی ڈکشنری میں ہی نہیں۔۔۔ اور پھر الزام لگاتی ہیں شوہروں پر۔۔۔ تشدّد کے۔۔۔ گھٹیا عورتیں۔۔۔" اُس کے جملوں میں اب بے ربطگی تھی۔۔۔ یوں جیسے وہ خود بھی اپنی باتیں جوڑ نہ پا رہا ہو، مگر وہ خاموش ہونے پر تیّار نہیں تھا۔۔۔ اُس کا علم بول رہا ہوتا تو اگلے کئی گھنٹے بھی عبداللہ اسی طرح اُسے سُن سکتا تھا جیسے وہ ہمیشہ سحر زدہ معمول کی طرح سُنتا رہتا تھا مگر یہ اُس کی جہالت تھی جو گفتگو کر رہی تھی اور کرتے ہی رہنا چاہتی تھی۔

عبداللہ اُس کی بات کاٹ کر کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اُس سے پہلے احسن سعد کے دونوں ماں باپ اندر آ گئے تھے وہ یقیناً احسن کے اس طرح بلند آواز میں باتیں سُن کر اندر آئے تھے۔

"ابّو میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ آپ کے دوست کا بیٹا میرا دشمن ہے، مجھے نقصان پہنچائے گا۔۔۔ اب دیکھ لیں وہی ہو رہا ہے، وہ مجھے جگہ جگہ بدنام کرتا پھر رہا ہے۔" احسن نے اپنے باپ کو دیکھتے ہی کہا تھا۔

"کون؟" سعد نے کچھ ہکا بکا انداز میں کہا۔

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائی کوالٹی پی ڈی ایف

ایڈ فری لنکس

ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ

ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر

کتاب کی مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ

ناولز اور عمران سیریز کی مُکمل رینج

Click on http://paksociety.com to Visit Us

پاک سوسائٹی کو فیس بُک پر جوائن کریں http://fb.com/paksociety

پاک سوسائٹی کو ٹوئٹر پر جوائن کریں http://twitter.com/paksociety1

پاک سوسائٹی کو گُوگل پلس پر جوائن کریں https://plus.google.com/112999726194960503629

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

http://paksociety.com

"جبریل" احسن نے جواباً کہا اور عبداللہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "اسے عائشہ سے ملوایا ہے اُس نے۔۔۔ اور اُس عورت نے اسے میرے بارے میں جھوٹی سچی باتیں کہی ہیں، زہر اگلا ہے میرے بارے میں۔" وہ ایک چھوٹے بچے کی طرح باپ سے شکایت کر رہا تھا۔

"عائشہ نے مجھ سے آپ کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہا۔۔۔ جو بھی بتایا ہے آپ نے خود بتایا ہے۔" عبداللہ نے سعد کے کچھ کہنے سے پہلے کہا تھا۔ "انہوں نے مجھ سے صرف یہ کہا کہ آپ کے اور اُن کے درمیان compatibility نہیں تھی، مگر کوئی کورٹ پیپرز اور کورٹ میں آپ پر ثابت ہونے والے کسی الزام کی انہوں نے بات کی نہ ہی مجھے کوئی پیپر دکھایا۔۔۔ جو بھی سُن رہا ہوں، وہ میں آپ سے ہی سُن رہا ہوں۔" عبداللہ کا خیال تھا احسن سعد حیران رہ جائے گا اور پھر شرمندہ ہو گا۔۔۔ ایسا نہیں ہوا تھا۔

تم مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش مت کرو۔" احسن سعد نے اُسے درمیان میں ہی ٹوک دیا تھا۔ عبداللہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اُس گھر میں یک دم ہی اُس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ اب صرف احسن سعد نہیں بول رہا تھا، اُس کا باپ اور ماں بھی بولنے لگ گئے تھے۔ وہ تینوں بیک وقت بول رہے تھے اور عائشہ عابدین کو لعنت ملامت کر رہے تھے اور جبریل کو اور سالار سکندر کو جس کے ماضی کے حوالے سے سعد کو یک دم بہت ساری باتیں یاد آنے لگی تھیں اور امامہ کے بارے میں۔۔۔ جس کا پہلا مذہب قادیانیت تھا۔۔۔ عبداللہ کو یک دم کھڑے کھڑے یہ محسوس ہونے لگا تھا جیسے وہ ایک mental asylum میں کھڑا تھا۔۔۔ وہ اُس کے کھڑے ہونے پر بھی اُسے جانے نہیں دے رہے تھے بلکہ چاہتے تھے وہ اُس کی ہر بات سُن کر جائے۔۔۔ ایک ایک بہتان، ایک ایک راز جو صرف اُن کے سینوں میں دبا ہوا تھا اور جسے وہ آج آشکار کر دینا چاہتے تھے۔۔۔ اسلام کا وہ چہرہ عبداللہ نے کبھی نہیں دیکھا تھا اور نہ ہی وہ دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ مذہب اُس کے لئے ہمیشہ ہدایت اور مرہم تھا، بے ہدایتی اور زخم کبھی نہیں بنا تھا۔ وہ وہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا۔۔۔ کانوں میں پڑنے والی آوازوں کو روک دینا چاہتا تھا۔۔۔ احسن سے کہنا چاہتا تھا کہ وہ اُس کے قرآن کا اُستاد رہا تھا۔۔۔ وہ بس وہی سب بتائے اُسے۔۔۔ یہ سب نہ سُنائے۔

"برادر احسن۔۔۔ You disappointed me" عبداللہ نے بالآخر بہت دیر بعد آوازوں کے اُس طوفان میں اپنا پہلا جملہ کہا۔ طوفان جیسے چند لمحوں کے لئے رُکا۔

آپ کے پاس بہت علم ہے۔۔۔ قرآن پاک کا بہت زیادہ علم ہے۔۔۔ لیکن ناقص۔۔۔ آپ قرآن پاک کو حفظ تو کئے ہوئے ہیں، مگر نہ اس کا مفہوم سمجھ پائے ہیں نہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی تعلیمات۔۔۔ کیونکہ آپ سمجھنا نہیں چاہتے اُس کتاب کو جو اپنے آپ کو سمجھنے اور سوچنے کے لئے بلاتی ہے۔۔۔ آپ سے ایک بار میں نے ایک آیت کا مطلب پوچھا تھا کہ قرآن دلوں پر مہر لگا دینے

کی بات کرتا ہے تو اُس کا کیا مفہوم ہے۔۔۔ مجھے اُس کا مفہوم اُس وقت سمجھ نہیں آیا تھا۔۔۔ آج آگیا۔۔۔ آپ میرے اُستاد رہے ہیں مگر میں دعا کرتا ہوں اللہ آپ کے دل کی مہر توڑ دے اور آپ کو ہدایت عطا فرمائے۔" وہ احسن سعد کو بیچ بازار میں جیسے ننگا کر کے چلا گیا تھا۔۔۔ وہاں ٹھہرا نہیں تھا۔

☆☆☆☆

وہ پھر وہیں کھڑا تھا جہاں عائشہ کو توقع تھی۔۔۔ اُس کے اپارٹمنٹ کے باہر کمپاؤنڈ میں۔۔۔ ادھر سے ادھر ٹہلتے۔۔۔ گہری سوچ میں بہت میں۔۔۔ زمین پر اپنے قدموں سے فاصلہ ماپتے ہوئے۔۔۔ برف باری کچھ دیر پہلے ہو کر ہٹی تھی اور جو برف گری تھی۔۔۔ ہلکی سی چادر کی طرح تھی۔۔۔ جو دھوپ نکلنے پر پگھل جاتی، مگر آج دھوپ نہیں نکلی تھی اور اُس برف پر جبریل کے قدموں کے اور متوازن جیسے بہت سوچ سمجھ کر رکھے جا رہے ہوں۔ اُس نے عائشہ کو باہر آتے نہیں دیکھا تھا نشان تھے۔۔۔ بے حد ہموار۔۔۔ مگر عائشہ نے اُسے دیکھ لیا تھا۔ لانگ کوٹ کی دونوں جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ اُس کی طرف بڑھنے لگی۔

جبریل نے اُسے کچھ دیر پہلے فون کیا تھا۔۔۔ ملنا چاہتا تھا "میں گروسری کے لئے جا رہی ہوں اور پھر ہاسپٹل چلی جاؤں گی۔۔۔" اُس نے جیسے بلاواسطہ انکار کیا تھا۔۔۔ وہ اب اُس کا سامنا کرنے سے کترانے لگی تھی۔۔۔ اُس کے سامنے آنا ہی نہیں چاہتی تھی اُس ایک گفتگو کے بعد۔

"تو تم کورٹ میں یہ اعتراف کرنا چاہتی ہو کہ احسن سعد ٹھیک ہے اور تم نے اپنے بیٹے کی دیکھ بھال میں لاپرواہی کا مظاہرہ کیا۔۔۔ تم اپنی زندگی تباہ کرنا چاہتی ہو۔" جبریل نے بے حد خفگی سے اُسے تب کہا تھا "مجھے اپنی زندگی میں اب دلچسپی نہیں رہی اور اگر اسے قربان کرنے سے ایک زیادہ بہترین زندگی بچ سکتی ہے تو کیوں نہیں۔" اُس نے جواباً اُن سب ملاقاتوں میں پہلی بار اُس سے اس طرح بات کی تھی۔

"تم مجھے بچانا چاہتی ہو؟" جبریل نے سیدھا اُس سے پوچھا۔ اُسے اتنے direct سوال کی توقع نہیں تھی اُس سے۔۔۔ اور ایک ایسے سوال کی جس کا جواب وہ اُسے دینے کی جرأت ہی نہیں کر سکتی تھی۔۔۔ وہ اُسے یہ کیسے بتا سکتی کہ وہ احسن سعد سے اُس شخص کو بچانا چاہتی تھی جو اُسے اسفند کے بعد اب سب سے عزیز تھا۔ یہ جاننے کے باوجود کہ احسن سعد نے اُسے جبریل کے آپریشن میں ڈاکٹر ویزل سے ہونے والی کوتاہی کے بارے میں بتایا تھا۔۔۔ اُسے جبریل کے اُس معذرت والے کارڈ کی سمجھ بھی تب ہی آئی تھی۔۔۔ لیکن وہ پھر بھی جبریل کو معاف کرنے پر تیار تھی، یہ ماننے پر تیار نہیں تھی کہ اُس کے بیٹے کی جان لینے میں اُس شخص سے ہونے والی کسی دانستہ غلطی کا ہاتھ تھا۔ وہ اُسے اتنی توجہ کیوں دیتا تھا۔۔۔ اُس کے لئے کیوں بھاگتا پھرتا تھا۔۔۔ عائشہ عابدین جیسے اب ڈی کوڈ

http://paksociety.com

کر پائی تھی اور وہ اُسے اُس احساسِ جرم سے آزاد کر دینا چاہتی تھی، یہ بتا کر کہ اُس نے جبریل کو معاف کر دیا تھا اور وہ جبریل کو بچانے کے لئے احسن سعد کے آگے دیوار کی طرح کھڑی ہو سکتی تھی۔۔۔ وہ ایک کام بھی جو وہ زندگی میں اپنی ذات اور اپنی اولاد کے لئے بھی نہیں کر سکی تھی۔

"میں تمہیں صرف احساسِ جرم سے آزاد کر دینا چاہتی ہوں جو تم اسفند کی وجہ سے رکھتے ہو۔" اُس نے اُس کے سوال کا جواب دیا تھا۔ جبریل بول نہیں سکا تھا "میں اِس کے لئے تمہارا شکریہ ادا کر سکتا ہوں، مگر تمہیں اپنی زندگی تباہ کرنے نہیں دے سکتا۔۔۔" بڑی لمبی خاموشی کے بعد جبریل نے کہا تھا۔

تم اگر احسن کے اس الزام پر کورٹ میں یہ کہو گی تو میں اپنی غلطی کورٹ میں جا کر بتاؤں گا۔" اُس نے عائشہ سے کہا۔ "تمہیں کوئی سمجھانے والا نہیں ہے، ہوتا تو تمہیں یہ نہ کرنے دیتا۔۔۔۔۔۔ اور نہیں۔۔۔ تمہارے پاس آنے کی واحد وجہ میرا احساسِ جرم نہیں ہے۔۔۔ زندگی میں احساسِ جرم ہمدردی تو کروا سکتا ہے محبت نہیں۔" جبریل اُسے اُس دن جانے سے پہلے کہہ کر گیا تھا۔۔۔ ایسے ہی معمول کے انداز میں۔۔۔ یوں جیسے سر درد میں ڈسپرین recommend کر رہا ہو۔۔۔ یا نزلہ ہو جانے پر فلو diagnose کر رہا ہو۔۔۔ اُس کے جانے کے بعد بھی عائشہ کو لگا تھا اُس نے جبریل سکندر کی بات سُننے میں غلطی کی تھی اور اُس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس بات کو دوبارہ سُننے کا اصرار کرتی تا کہ اپنی تصحیح کر سکے۔۔۔ بعض وہم جی اُٹھنے کے لئے ضروری ہوتے ہیں، بعض شائبے متاعِ حیات ہوتے ہیں، یقین میں نہ بھی بدلیں تو بھی۔

اور اب وہ ایک بار پھر سامنے کھڑا تھا۔۔۔ نہیں کھڑا نہیں تھا۔۔۔ برف پر اپنے نشان بنانے میں مصروف تھا یوں جیسے اُس کے پاس دنیا بھر کی فرصت تھی۔

اُس کی چاپ پر جبریل نے گردن موڑ کر اُسے دیکھا۔ وہ لانگ کوٹ کے اندر اپنی گردن کے مفلر کو بالکل ٹھیک ہونے کے باوجود ایک بار پھر ٹھیک کرتی اُس کی طرف آ رہی تھی، اُس کی طرف متوجہ نہ ہونے کے باوجود۔

"گروسری میں بہت وقت لگے گا میرا" اُس کے قریب آتے ہوئے غیر محسوس انداز میں اُسے جتاتے ہوئے اُس نے جبریل سے کہا تھا "ہم پھر کسی دن فرصت میں مل سکتے تھے۔" جبریل کے جواب کو انتظار کئے بغیر اُس نے ایک بار پھر جبریل کو جیسے اپنے ساتھ جانے سے روکنے کے لئے کہا۔ اس کے باوجود کہ جبریل نے اُسے انتظار کرنے کا نہیں کہا تھا، وہ اُس کے ساتھ گروسری کرنے جانے کے لئے تیّار تھا۔ اُسے صرف اتنا وقت ہی چاہیے تھا جتنا وقت وہ گروسری کرتی۔۔۔ ساتھ چلتے پھرتے وہ بات کر سکتا تھا۔

http://paksociety.com

"میں جانتا ہوں۔۔۔ مگر فرصت میرے پاس تو بہت ہے، تمہارے پاس بالکل نہیں۔" اُس نے جواباً اُس سے کہا "گاڑی میں چلیں؟" جبریل نے بھی اپنے جواب پر اُس کے تبصرے کا انتظار نہیں کیا تھا "نہیں یہاں قریب ہی ہے سٹور۔۔۔ walking distance پر۔۔۔ گاڑی کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ مجھے بہت زیادہ چیزیں نہیں چاہیے۔" عائشہ نے قدم روکے بغیر بیرونی سڑک کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

"تم نے عبداللہ سے جھوٹ کیوں بولا؟" وہ چند قدم خاموشی سے چلتے رہے تھے پھر جبریل نے اُس سے پوچھنے میں دیر نہیں کی تھی۔ عائشہ نے گہرا سانس لیا۔ اُسے اس سوال کی توقع تھی لیکن اتنی جلدی نہیں۔

"بزدلی اچھی چیز نہیں عائشہ۔۔۔" اُس نے چند لمحے اُس کے جواب کا انتظار کرنے کے بعد کہا تھا۔ وہ طنز نہیں تھا مگر اس وقت عائشہ کو طنز ہی لگا تھا۔ ساتھ چلتے ہوئے وہ دونوں اب فٹ پاتھ پر آ گئے تھے۔ برف کی چادر پر وہ نشان جو کچھ دیر پہلے جبریل اکیلا بنا رہا تھا اب وہ دونوں ساتھ ساتھ بنا رہے تھے۔

تمہیں لگتا ہے میں بزدل ہوں اس لئے میں نے احسن سعد کے بارے میں عبداللہ کو سچ نہیں بتایا؟" اُس نے اس ملاقات کے دورانیہ میں ساتھ چلتے ہوئے پہلی بار گردن موڑ کر جبریل کو دیکھا تھا۔

بزدلی یا خوف۔۔۔ اس کے علاوہ تیسری وجہ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔" جبریل نے جیسے اپنی بات کی تصدیق کرتے ہوئے دوٹوک انداز میں کہا "تمہیں ڈر تھا کہ احسن سعد تمہیں پریشان کرے گا۔۔۔ تمہیں فون کرے گا اور تنگ کرے گا۔" جبریل نے کہا تھا "مگر تم نے عبداللہ سے جھوٹ بول کر احسن سعد کو بچا کر بہت زیادتی کی۔۔۔ تم نے مجھے اور عنایہ کو جھوٹا بنا دیا۔" اُس کا لہجہ اب شکایتی تھا۔

آپ لوگوں کے جھوٹا ہونے سے اُتنا نقصان نہیں ہوتا جتنا احسن سعد کے جھوٹا ہونے سے عبداللہ کو ہوتا۔" عائشہ نے جواباً کہا۔

وہ حافظِ قرآن ہے تو میں بھی ہوں۔" جبریل نے کہا "آپ کو وہ اُس مقام پر بٹھا کر نہیں دیکھتا جس پر احسن کو دیکھتا ہے۔" عائشہ نے جواباً کہا "وہ نو مسلم نہ ہوتا تو میں احسن کے بارے میں اب سب کچھ بتا دیتی اُسے۔۔۔ وہ مجھ سے ملنے کے بعد دوبارہ احسن کی شکل میں اُسے کس منہ سے یہ کہتی کہ اتنے سالوں سے وہ جس شخص کو بہترین مسلمان اور بھی نہ دیکھتا شاید۔۔۔ مگر وہ نو مسلم ہے۔۔۔ انسان سمجھ رہا ہے، وہ ایسا نہیں ہے۔ عبداللہ نے صرف احسن کو جھوٹا نہیں ماننا تھا میرے دین سے اُس کا دل اُچاٹ ہونا تھا۔" وہ کہہ رہی تھی اُسی مدہم آواز میں جو اُس کا خاصہ تھی۔

میرے ساتھ ہوا تھا ایک بار ایسے۔۔۔ میں احسن سعد سے ملنے سے پہلے بہت اچھی مسلمان تھی، آنکھیں بند کر کے اسلام کی پیروی کرنے والی۔۔۔ جنون اور پاگل پن کی حد تک دین کے راستے پر چلنے والی اور اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ سے اندھی محبت اور لیکن پھر میری شادی احسن سعد سے ہو گئی اور میں نے اُس کا اصل چہرہ دیکھ لیا۔۔۔ اور میرا سب سے بڑا عقیدت رکھنے والی۔۔۔

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

نقصان ایک خراب ازدواجی زندگی، طلاق یا اسفند کی موت نہیں ہے۔۔۔ میرا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اُس نے مجھے دین سے داڑھی اور حجاب سے مجھے خوف آتا ہے، میرا بیزار کر دیا۔۔۔ مجھے اب دین کی بات کرنے والا ہر شخص جھوٹا اور منافق لگتا ہے۔۔۔ دل جیسے عبادت کے لئے بند ہو گیا ہے۔۔۔ اتنے سال میں دن رات اتنی عبادتیں اور وظیفے کرتی رہی اپنی زندگی میں بہتری کے لئے میں مسلمان ہوں لیکن میرا دل آہستہ آہستہ کافر ہوتا جا رہا ہے اور مجھے کہ اب مجھے لگتا ہے مجھے اللہ سے کچھ مانگنا ہی نہیں چاہیے۔۔۔ اس احساس سے خوف آتا ہے لیکن میں کچھ کر نہیں پا رہی۔۔۔ اور یہ سب اس لئے ہوا کیوں کہ مجھے ایک اچھے عملی مسلمان سے بہت ساری توقعات اور اُمیدیں تھیں اور میں نے اُنہیں چکنا چور ہوتے دیکھا۔۔۔ اور میں عبداللہ کو اس تکلیف سے گزارنا نہیں چاہتی۔۔۔ اگر وہ احسن سعد کو اچھا انسان سمجھتے ہوئے ایک اچھا انسان بن سکتا ہے تو اُسے بننے دیں۔" وہ اپنے ہاتھ کی پشت سے اپنی آنکھوں اور گالوں کو رگڑنے کی کوشش کر رہی تھی۔

میں کافر ہوں لیکن میں کسی کو کافر نہیں کر سکتی، بس مجھ میں اگر ایمان ہے تو صرف اتنا" وہ اب ٹشو اپنی جیب سے نکال کر آنکھیں رگڑ رہی تھی۔

پسند۔۔۔؟؟ مجھے پسند کا نہیں پتہ ممّی۔۔۔ مگر عائشہ عابدین میری عقل اور سمجھ سے باہر ہے۔۔۔ میں اُس سے شدید ہمدردی رکھتا تھا۔۔۔ مگر اب ہمدردی تو بہت پیچھے رہ گئی ہے۔ میں اُسے اپنے ذہن سے نکال نہیں پاتا۔۔۔ بار بار اُس سے ملنا چاہتا ہوں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اُس کا اور میرا کوئی future نہیں ہے اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ لائف پارٹنر کے طور پر مجھے جیسی لڑکی کی خواہش ہے، عائشہ اُن کی متضاد ہے۔۔۔ مجھے بے حد مضبوط، پر اعتماد، زندگی سے بھرپور، career oriented، ہر وقت ہنستی رہنے والی لڑکیاں اچھی لگتی ہیں جو بہت اچھی values بھی رکھتی ہوں اور عائشہ میں ان سب چیزوں میں سے صرف دو ہوں گی۔۔۔ یا تین۔۔۔ لیکن اس کے باوجود میں عائشہ سے disconnect نہیں رہ سکتا۔" امریکہ آنے سے پہلے اُس نے امامہ کے اُس سوال پر اُسے اپنی بے بسی بتائی تھی۔

"اس کی بھی کوئی وجہ ہو گی" امامہ نے جواباً اُس سے پوچھا تھا "کیا خصوصیت ہے اُس میں ایسی کہ وہ تمہارے ذہن سے نہیں نکلتی؟" اُس نے جبریل سے پوچھا تھا۔

"وہ عجیب ہے ممّی، وہ بس عجیب ہے۔

اُس نے جیسے امامہ کو اپنی بے بسی سمجھانے کی کوشش کی تھی اور وہ بے بسی ایک بار پھر سے در آئی تھی۔ اُس کے ساتھ چلتی ہوئی اُس لڑکی کی logic صرف اُس کی logic ہو سکتی تھی۔ وہ اپنے آپ کو بے دین کافر کہہ رہی تھی اور وہ اُس کے ظرف پر حیران تھا۔

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com
پاکسوسائٹیڈاٹکام

"تم بے حد عجیب ہو۔" وہ کہے بغیر نہیں رہ سکا۔ "ہاں میں ہوں" عائشہ عابدین نے اعتراف کیا "مجھے یہ اندازہ لگانا مشکل ہو رہا ہے کہ تم 16 سال کی عمر میں زیادہ اچھی تھی یا اب۔۔۔؟" بے حد غیر متوقع جملہ تھا، عائشہ نے چونک کر اُسے دیکھا۔ وہ اُس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

"عبداللہ نے مجھ سے کہا تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔" عائشہ کا دل چاہا تھا زمین پھٹے اور وہ اس وقت وہیں اُس میں سما جائے۔ ندامت کا یہ عالم تھا اُس کا۔ وہ جملہ جبریل تک پہنچانے کے لئے نہیں تھا پھر بھی پہنچ گیا۔

"میں نے اُسے کہا میں جانتا ہوں۔" وہ اُسی طرح جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے ساتھ چلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔۔۔ پانی پانی اس جملے نے بھی کیا تھا اُسے۔۔۔ وہ اس کے دل تک کب پہنچا تھا۔

"عبداللہ کا خیال ہے ہم دونوں اچھے لائف پارٹنر ہو سکتے ہیں۔" وہ اس جملے پر رُک گئی۔۔۔ پتہ نہیں کون زیادہ مہربان تھا، کہنے والا یا پہنچانے والا۔

میں نے اُسے کہا میں یہ بھی جانتا ہوں۔" وہ بھی رُک گیا تھا۔ وہ دونوں اب ایک دوسرے کے بالمقابل فٹ پاتھ پر کھڑے تھے۔ ایک دوسرے کا چہرہ دیکھتے۔۔۔ برفباری پھر سے ہونے لگی تھی۔

"زندگی میں ایک سٹیج وہ تھی جب میں سوچتی تھی میری شادی اگر آپ جیسے کسی شخص سے ہو جائے تو بس پھر میں خود کو بے حد خوش قسمت مانوں گی۔۔۔ سب مسئلے حل ہو جائیں گے۔" اُس نے بالآخر کہنا شروع کیا تھا۔

آج اس سٹیج پر میں سوچتی ہوں شادی کوئی solution نہیں ہے اچھی زندگی کی گارنٹی بھی نہیں ہے۔۔۔ تو اب میں ایک اچھی زندگی کے لئے کسی سہارے کی تلاش میں نہیں ہوں۔۔۔ میں career پر focus کرنا چاہتی ہوں۔۔۔ اپنی زندگی اپنے لئے جینا چاہتی ہوں۔۔۔ ورلڈ ٹرپ پر جانا چاہتی ہوں۔

"I can sponsor you" وہ نم آنکھوں سے بے اختیار ہنسی۔۔۔ بے حد سنجیدگی سے کہا گیا وہ جملہ اُسے ہنسانے کے لئے ہی تھا۔

"آپ عجیب ہیں۔"

"میں جانتا ہوں" بے ساختہ کئے گئے تبصرے کا بے ساختہ ہی جواب آیا تھا عبداللہ نے بھی مجھے یہی کہا تھا کہ آپ دونوں ہی عجیب ہیں۔ اُنہیں مدر ٹریسا بننے کا شوق ہے آپ کو اپنی assumptions پر دوسروں کی خوشیاں خراب کرنے کا You compliment each other وہ کہہ رہا تھا۔

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

راستے سے ہٹ جائیں۔" وہ ایک راہ گیر تھا جو اُنہیں راستہ دینے کے لئے کہہ رہا تھا۔ وہ دونوں بیک وقت راستے سے ہٹے تھے۔

" کبھی کسی زیادہ اچھے موسم میں میں تم سے ایک بار پھر پوچھوں گا کہ کیا میں تمہارے ورلڈ ٹور کو sponsor کر سکتا ہوں۔" راہ گیر کے گزر جانے کے بعد جبریل نے اُس سے کہا تھا۔

مجھ جیسوں کو ڈھونڈنے کے بجائے تم اگر مجھ سے ہی بات کر لیتی تو 16 سال کی عمر میں بھی میں تمہیں No نہیں کہتا۔۔۔ انتظار کرنے کو کہہ دیتا زیادہ سے زیادہ۔" اُس نے جبریل کو کہتے سُنا" میں نیوروسرجن ہوں دماغ پڑھ سکتا ہوں۔۔۔ دل نہیں۔۔۔ اور میں روایتی قسم کی romantic باتیں بھی نہیں کر سکتا۔" وہ کہہ رہا تھا" تم 16 سال کی عمر میں بھی مجھے اچھی لگی تھی، آج بھی لگتی ہو۔۔۔ میں نے اپنی ماں سے بھی یہ کہا، انہوں نے مجھے کہا اگر اللہ نے جبریل سکندر کے دل میں اُس کی محبت اُتاری ہے تو پھر وہ بہت اچھی لڑکی ہو گی جس کی کوئی خوبی اللہ کو پسند ہے۔۔۔ میں اپنی ماں کا جملہ دہرا رہا ہوں، اسے خود پسندی مت سمجھنا۔" آنسوؤں کا ایک ریلہ آیا تھا عائشہ عابدین کی آنکھوں میں۔۔۔ اور اُس کے پتھر ہوتے دل کو گھلانے لگا تھا۔

" پتہ نہیں ہم کتنے مومن، کتنے کافر ہیں لیکن جو بھی ہیں اللہ ہمارے حال سے بے خبر نہیں ہے۔۔۔" عائشہ عابدین نے ایک بار کہیں پڑھا تھا" اچھا وقت، اچھے وقت پر آتا ہے۔" اُس کی نانی کہا کرتی تھیں۔ وہ عجیب جُملے تھے۔۔۔ اور سالوں بعد اپنا مفہوم سمجھا رہے تھے۔

"تم میری ممّی کی طرح بہت روتی ہو بات بات پر۔۔۔ تمہاری اور اُن کی اچھی نبھے گی۔۔۔" جبریل نے گہرا سانس لیتے ہوئے اُس کی سُرخ بھیگی ہوئی آنکھوں اور ناک کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کافی پیو گی یا اب بھی گروسری کرو گی؟" وہ اُسے اب چھیڑ رہا تھا" گروسری زیادہ ضروری ہے۔" اُس نے اپنی ندامت چھپاتے ہوئے آنسوؤں پر قابو پاتے ہوئے کہا" اگر اتنی ضروری ہوتی تو تم گروسری سٹور کو پیچھے نہ چھوڑ آتی۔" عائشہ نے بے اختیار پلٹ کر دیکھا۔ وہ واقعی بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ بہت ساری دوسری چیزوں کی طرح۔۔۔ آگے بہت کچھ تھا۔۔۔ اُس نے جبریل کا نم چہرہ دیکھا، پھر نم آنکھوں سے مسکرائی۔

"کافی پی لیتے ہیں پھر۔"

☆☆☆☆

"امامہ نے اُس سکریپ بُک کو پہلی ہی نظر میں پہچان لیا تھا۔ وہ اُس ہی کی سکریپ بُک تھی وہ سکریپ بُک جس میں اُس نے کبھی اپنے ممکنہ گھر کے لئے ڈیزائننگ کی تھی۔ مختلف گھروں کی مختلف چیزوں کی تصویریں کھینچ کھینچ کر ایک collection بنائی تھی کہ جب وہ اپنا گھر بنائے گی تو اُس کا فلور اس گھر جیسا ہو گا، windows اس گھر جیسی، دروازے اس گھر جیسے۔۔۔ ہاتھ سے بنائے سکیچز کے ساتھ۔۔۔ اور اُس میں اُن بہت سے خوبصورت گھروں کی میگزینز سے کاٹی گئی تصویریں بھی چسپاں تھیں۔

وہ سکریپ بُک چند سال پہلے اُس نے پھینک دینے کے لئے بہت ساری ردّی کے ساتھ نکالی تھی، اور حمین نے اُسے پھینکنے نہیں دی تھی۔ اُس سے وہ سکریپ بُک لے لی تھی۔ اور اب امامہ نے اُس سکریپ بُک کو یہاں دیکھا تھا۔ حمین سکندر کے اُس pent house کی ایک دراز میں۔۔۔ اُس کی مرمّت کی جا چکی تھی اور وہ بہت صاف ستھری اور اُس سے بہتر حالت میں نظر آ رہی تھی جس میں امامہ نے اُسے آخری بار حمین کو دیتے ہوئے دیکھا تھا۔

☆☆☆☆☆

"تم کیا کرو گے اس کا؟" اُس نے حمین سے پوچھا تھا۔ "آپ کو ایسا ایک گھر بنا کر دوں گا۔" اُسے وہی جواب ملا تھا جس کا اُسے پہلے ہی اندازہ تھا وہ حمین سکندر کے سرپرائز کو بوجھنے میں ماہر تھی۔ "مجھے اب ایسے کسی گھر کی تمنا نہیں ہے۔" امامہ نے اُسے کہا تھا، "ایک وقت تھی پر اب نہیں، اب مجھے بس ایک چھوٹا سا ایسا گھر چاہیے جہاں پر میں تمہارے بابا کے ساتھ رہوں اور تمہارے بابا کے پاس وہ ہے۔ اس لئے تم اس گھر کو بنانے میں اپنی energy اور وقت ضائع مت کرنا۔" اُس نے حمین کو نصیحت کی۔ "میری خواہش ہے یہ ممّی" حمین نے اُسے کہا تھا، "یہ گھر میں نے تمہارے بابا سے مانگا تھا، وہ نہیں دے سکے۔۔۔ اور تم سے میں لوں گی نہیں۔۔۔ میں کبھی سالار کو یہ احساس نہیں ہونے دوں گی کہ تم نے مجھے وہ دے دیا ہے جو وہ نہیں دے سکا۔" حمین کو اُس کی بات کی سمجھ آ گئی تھی۔ "سوچ لیں" اُس نے جیسے امامہ کو چیلنج کرنے والے انداز میں کہا تھا۔ "سوچ لیا۔" وہ چیلنج قبول کرتے ہوئے ہنس پڑی

"آپ کو دُنیا میں بابا کے علاوہ کوئی اور نظر نہیں آتا۔" حمین نے شکایتاً اُس سے کہا۔

"ہاں نہیں آتا" وہ ہنسی۔

"زیادتی ہے یہ" اُس نے جتایا۔

"اتنا تو کر سکتی ہوں۔" اُس نے جواباً چھیڑا۔

"دادا کہتے تھے آپ دونوں پتھر کے زمانے میں بھی ہوتے تو مل جاتے۔" وہ اب اُسے چھیڑ رہا تھا، وہ بے اختیار ہنسی تھی اور ہنستی چلی گئی تھی۔

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

اور اب وہ اُس سکریپ بُک کو کھولتے ہوئے اُسے ورق بہ ورق دیکھ رہی تھی۔۔۔ جیسے اپنی زندگی کی ورق گردانی کرتے ہوئے۔۔۔

اُس کے پاس وہ سکریپ بُک آدھی خالی تھی، اور اب وہ ساری بھر چکی تھی۔ اُس نے کچھ تجسّس کے عالم میں اُن صفحوں سے آگے دیکھنا شروع کیا جو اُس نے بھرے تھے۔ وہاں بھی تصویریں تھیں۔۔۔ خوبصورت گھروں کی۔۔۔ وہ حمین سکندر کی collection تھی۔۔۔ اُس ہی کی طرح کاٹ کاٹ کر لگائی ہوئی تصویریں، مگر فرق صرف یہ تھا کہ وہ میگزینز سے کاٹی ہوئی تصویریں نہیں تھیں، وہ کھینچی ہوئی تصویریں تھیں حمین سکندر کے اپنے گھروں کی۔۔۔ وہ چہرے پر مسکراہٹ لئے بڑے اشتیاق سے اُن گھروں کی تصویروں کو دیکھتی جا رہی تھی۔ وہ یقیناً خوش نصیب تھا، تیس سال کی عمر تک پہنچے بغیر درجنوں گھروں کا مالک تھا۔ اُس کی ساری اولادوں میں دولت کے معاملے میں سب سے زیادہ امیر اور خرچ کرنے میں سب سے زیادہ فیّاض۔۔۔ اُس نے اپنی زندگی کی سب سے پہلی کمپنی امامہ سے قرض لے کر شروع کی تھی۔

"صرف اس لئے لے رہا ہوں آپ سے کہ بابا نے بھی SIF آپ کے قرض سے شروع کیا تھا۔" اُس نے امامہ کو logic بتائی تھی۔ اور اُس وقت پہلی بار امامہ نے سالار سے SIF میں دی جانے والی اپنی اصل رقم واپس مانگی تھی۔

"وہ ڈبو دے گا۔۔۔ مجھے یقین ہے۔" سالار نے اُسے خبردار کیا تھا۔۔۔ وہ اُس وقت سولہ سال کا بھی نہیں تھا اور اگر سالار یہ تبصرہ کر رہا تھا تو غلط نہیں تھا۔

"جب تمہیں SIF کے لئے یہ رقم دی تھی تو پاپا نے بھی یہی کہا تھا۔۔۔ تم نے ڈبو دی کیا؟" اُس نے سالار کو جتایا تھا۔ "تم مجھے حمین سے compare کر رہی ہو۔" سالار ناخوش ہوا تھا "پہلی بار نہیں کر رہی" اُس نے جواباً کہا تھا۔

کتنا وقت گزر گیا تھا۔۔۔ گزر گیا تھا یا شاید بہہ گیا تھا۔۔۔ زندگی بہت آگے چلی گئی تھی۔۔۔ خواہشاتِ نفس بہت پیچھے چلی گئی تھیں۔

امامہ نے ہاتھ میں پکڑی سکریپ بُک اپنے سامنے سینٹر ٹیبل پر رکھتے ہوئے وہاں پڑا چائے کا مگ اُٹھا لیا۔ وہ اب سر اُٹھا کر آسمان کو دیکھنے لگی تھی۔ وہ چند دن پہلے پاکستان سے مستقل طور پر امریکہ شفٹ ہوئی تھی اور حمین کا گھر اُس کا پہلا پڑاؤ تھا۔ سالار بھی چند دن کے لئے وہیں تھا اور اس وقت صبح سویرے وہ اپنے لئے چائے بنا کر pent house کے اُس حصّے میں آ کر بیٹھی تھی جس کی چھت بھی شیشے کی تھی، نیلے آسمان پر تیرتے ہلکے بادلوں اور اُڑتے پرندوں کو وہ اس پرسکون خاموشی میں بچوں کے سے اشتیاق سے دیکھ رہی تھی۔ تب ہی اُس نے اپنے عقب میں آہٹ سُنی، وہ سالار تھا۔ چائے کے اپنے مگ کے ساتھ۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر

مسکرائے تھے۔ ایک طویل مدّت کے بعد وہ یوں امریکہ میں اس طرح فرصت سے مل رہے تھے۔۔۔ سالار کی زندگی کی بھاگ دوڑ کے بغیر۔

وہ بھی اُس کے قریب کاؤچ پر بیٹھ گیا تھا، کاؤچ پر اُس کے برابر بیٹھے چائے کے دو مگز ہاتھ میں لئے وہ دونوں آج بھی ویسے ہی تھے۔۔۔ سالار کم گو، وہ سب کچھ کہہ دینے والی۔۔۔ سالار سُنتے رہنے والا وہ دُنیا جہاں کی باتیں دُہرا دینے والی۔۔۔ مگر اُن کے پاس فرصت صرف چائے کے مگ جتنی ہوتی تھی۔ چائے کا مگ بھرا ہوتا تو اُن کی باتیں شروع ہوتیں اور اُس کے ختم ہونے تک باتیں اور فرصت دونوں ختم ہو جاتے۔۔۔ چائے کا وہ مگ جیسے اُن کی قربت میں گزاری ہوئی زندگی تھی۔۔۔ نرم گرم، رُک رُک، ٹھہر ٹھہر کر گزرتی ہوئی۔۔۔ لیکن جتنی بھی تھی، تسکین بھری۔۔۔

سالار نے سامنے پڑی سکریپ بُک کو سرسری نظر سے دیکھا، چند لمحوں کے لئے اُٹھا کر اُلٹا پلٹا پھر واپس رکھتے ہوئے کہا۔

تمہارے جیسے شوق ہیں تمہارے بیٹے کے۔" وہ مسکرا دی۔ وہ دونوں اُس کے اس pent house میں پہلی بار آئے تھے۔

"اس سال ریٹائر ہونے کا سوچ رہا ہوں۔" چائے کا ایک سِپ لیتے ہوئے سالار نے امامہ سے کہا، "کئی سالوں سے سُن رہی ہوں۔ اُس نے جواباً کہا۔ وہ دھیرے سے ہنسا "نہیں اب تم آگئی ہو امریکہ تو اب ریٹائر ہو سکتا ہوں۔۔۔ پہلے تو تنہائی کی وجہ سے کام کرنا میری مجبوری تھی۔" وہ اُسے tease کر رہا تھا "بیس سال کی ہوتی تو تمہاری اس بات پر خوش ہوتی۔" امامہ نے بے ساختہ کہا خیر بیس سال کی عمر میں میرے اس جملے پر تو تم کبھی خوش نہیں ہوتی۔" اُس نے ترکی بہ ترکی کہا۔ دونوں بیک وقت ہنسے۔

یہ ویسا گھر ہے جیسا ایک بار ہم نے خواب میں دیکھا تھا، اُس جھیل کے کنارے؟" سالار نے یک دم آسمان کو دیکھتے ہوئے، اُس سے پوچھا۔ وہ بھی سر اُٹھا کر شیشے سے نظر آتے آسمان کو دیکھنے لگی۔

نہیں ویسا گھر نہیں ہے۔" امامہ نے ایک لمحے کے بعد کہا۔ سکندر عثمان کی موت کے بعد امامہ نے ایک بار پھر وہی جھیل کنارے ایک گھر دیکھا تھا۔ جو وہ اپنی زندگی کے کئی سالوں میں بار بار دیکھتی رہی تھی۔ مگر اس بار وہ خواب اُس نے بہت عرصے کے بعد دیکھا تھا۔

وہ گھر ایسا نہیں تھا۔" وہ اُس pent house کو گردن گھما کر دیکھتے ہوئے بڑبڑا رہی تھی، "وہ آسمان ایسا نہیں تھا۔۔۔ نہ وہ پرندے ایسے تھے۔۔۔ نہ وہ شیشہ ایسا۔ وہ گھر دُنیا میں کبھی کہیں نہیں دیکھا میں نے۔" وہ کہہ رہی تھی "اُس گھر کی کوئی چیز دنیا بھر میں پھرنے کے باوجود کہیں نظر نہیں آئی مجھے۔۔۔ کبھی کبھی مجھے لگتا ہے وہ گھر جنّت میں ملے گا ہمیں۔" وہ کہہ کر خاموش ہو گئی تھی۔

وہ بھی چونکے بغیر خاموش ہی رہا تھا۔۔۔

"تم نے کچھ نہیں کہا" امامہ نے اُس کی خاموشی کو کُریدا۔ اُس نے گردن موڑ کر مسکراتے ہوئے امامہ کو دیکھا اور بڑبڑایا۔

"آمین" وہ چپ رہی، پھر ہنس پڑی وہ آج بھی ویسا ہی تھا۔۔۔ مختصر مگر اگلے کو لاجواب کر دینے والی باتیں کہہ دینے والا۔

"اگر وہ جنّت ہے تو پھر میں تم سے پہلے وہاں جاؤں گا۔" وہ امامہ سے کہہ رہا تھا "تمہیں یاد ہے نا میں وہاں تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ ضروری نہیں" لمحہ بھر کے لئے وہ چائے پینا بھولی "خوابوں میں سب کچھ سچ نہیں ہوتا" اُس نے بے اختیار کہا تھا۔ آج بھی بچھڑ جانے کا خیال اُسے بے کل کر گیا تھا۔ "اگر وہ واقعی جنّت ہے تو کیا تم چاہتی ہو وہ خواب جھوٹا ہو؟" وہ عجیب انداز میں مسکرایا تھا۔۔۔ اک بس اتنا کہ تم وہاں پہلے انتظار میں مت کھڑے ہو۔۔۔ دونوں اکھٹے بھی تو جا سکتے" بار پھر لاجواب کر دینے والے جملے کے ساتھ ہیں۔" امامہ نے چائے کا مگ خالی کر کے سامنے پڑی میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ اُس نے اب سالار کے بازو پر ہاتھ رکھا تھا۔ وہ مسکرا دیا۔ اب بھی کہو نا؟" وہ اُس سے کہہ رہی تھی۔ "کیا؟" اُس نے پوچھا۔

"آمین" وہ ہنس پڑا

آمین۔

☆☆☆☆

پر لفٹ کا دروازہ کھلا تھا اور دو سیکورٹی گارڈز تیز رفتار قدموں سے باہر نکلے تھے اور اُن دونوں کے بالکل پیچھے چند 9:15 "ٹھیک security officials قدموں کے فاصلے پر وہ نکلا تھا۔ اُس پورے کوریڈور میں یک دم ہلچل مچ گئی تھی۔ وہاں پہلے سے کھڑے اور پروٹوکول کے اہلکار یک دم الرٹ ہو گئے تھے۔ "وہ" بے حد تیز قدموں سے اُن دو سیکورٹی گارڈز کے عقب میں چل رہا تھا اور اُس کے بالکل پیچھے اُس کے اپنے عملے کے چند افراد بے حد تیز قدموں سے اُس سے قدم سے قدم ملانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ۔۔۔ زیرِ لب گنتی کرتے ہوئے اُس ٹارگٹ کلر نے 1 کا لفظ زبان سے ادا کرتے ہی اپنی رینج میں آنے 1۔۔۔2۔۔۔3۔۔۔4۔۔۔5 والے اپنے ٹارگٹ پر فائر کر دیا تھا۔۔۔ اُس نے بینکوئیٹ ہال کے شیشے کے پرخچے اُڑتے دیکھے۔

☆☆☆☆

"تم نے اُس سے کیا کہا ہے کہ اُس نے مجھ سے بات کرنا چھوڑ دی؟" ہشّام سے ملاقات کے کئی دن بعد تک بھی اس ملاقات کے حوالے سے کوئی اپ ڈیٹ نہ ملنے اور ہشّام کی طرف سے ہو جانے والی پر اسرار خاموشی نے رئیسہ کو فکرمند کیا اور وہ حمین سے پوچھے بغیر نہیں رہ سکی۔

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

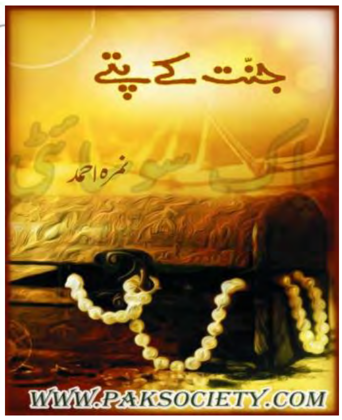

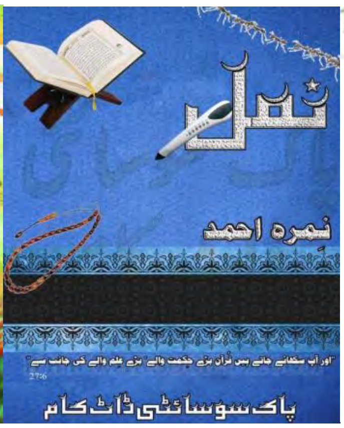

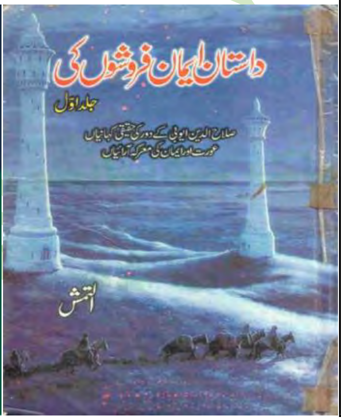

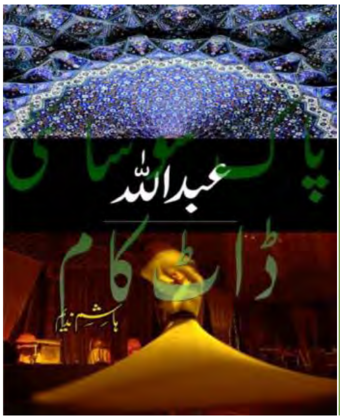

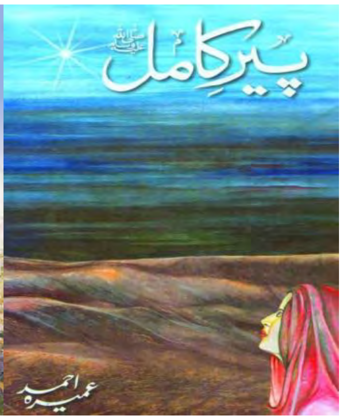

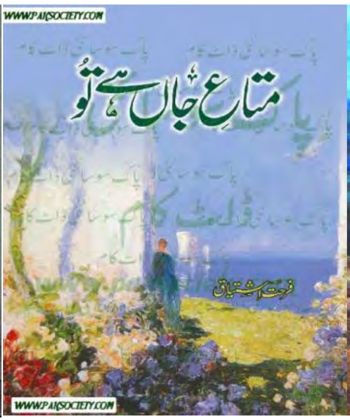

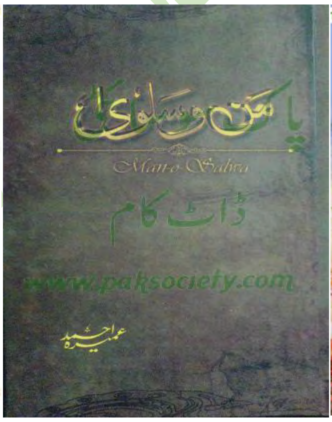

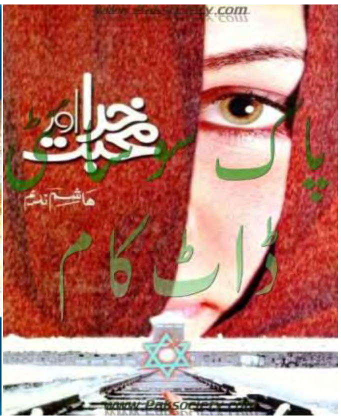

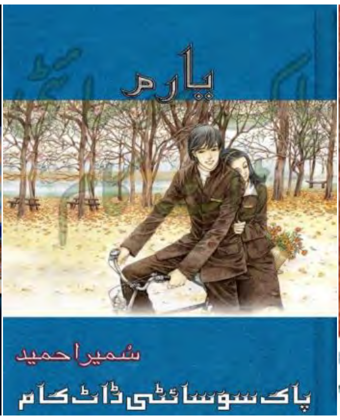

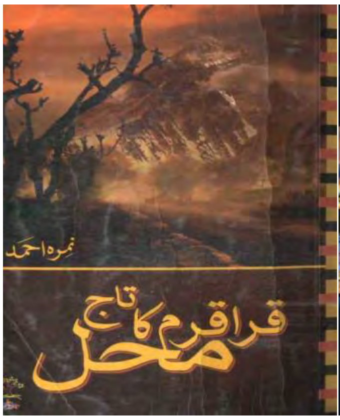

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

"اُس نے تمہارا پیچھا چھوڑ دیا۔۔۔ یہ تو اچھا ہے، تم یہی تو چاہتی تھی نا۔" اُس نے رئیسہ کو بے حد سنجیدگی سے کہا تھا۔ رئیسہ کو جواب نہیں سوجھا۔ وہ اُس کی یونیورسٹی آیا ہوا تھا۔ "ٹھیک ہے مگر تم نے اُس سے کیا کہا؟" رئیسہ نے کچھ بُجھے ہوئے انداز میں حمین سے کہا تھا۔ وہ اُس کے لئے برگر لایا تھا اور اپنا راستے میں ہی کھاتا آیا تھا۔ اب اُس کے پاس صرف ایک ٹکڑا رہ گیا تھا جسے وہ بڑے بے ڈھنگے پن سے نگل رہا تھا۔ رئیسہ نے اپنا برگر نکال کر کھانا شروع کر دیا، اُسے پتہ تھا وہ اپنا ختم کرنے کے بعد اُس کا برگر بھی کھانا شروع کر دیتا۔

"میں نے اُس سے کہا اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو بادشاہت چھوڑ دیتا۔" اُس نے آخری ٹکڑا نگلتے ہوئے کہا اور رئیسہ کی بھوک مر گئی تھی۔ کیا اُلٹا مشورہ تھا۔ اُس نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔

"لیکن میں نے اُس سے صرف یہ نہیں کہا تھا۔" حمین اب اپنی انگلیاں چاٹ رہا تھا۔ پھر اُس نے رئیسہ سے بڑے اطمینان سے کہا۔۔۔ "تمہاری بھوک تو مر گئی ہوگی، میری ابھی ہے۔۔۔ تم نے نہیں کھانا تو میں یہ باقی کھالوں۔" رئیسہ نے خاموشی سے اُسے برگر تھما دیا۔ اُس کی بھوک واقعی مر گئی تھی۔

میں نے اُسے یہ بھی کہا کہ وہ ولی عہد کے لئے مناسب امیدوار ہے ہی نہیں۔۔۔ نہ اہلیت رکھتا ہے نہ صلاحیت۔۔۔ اور یہ شادی ہونہ ہو۔۔۔ جلد یا بدیر وہ ویسے بھی ولی عہد کے عہدے سے معزول کر دیا جائے گا۔ So he has two options۔۔۔ یا تو اپنی پسند کی لڑکی سے شادی کرے اور ولی عہد کا عہدہ ابھی چھوڑ دے یا پھر بادشاہت کے خواب دیکھتے رہنے میں محبت بھی گنوائے اور تخت بھی۔" حمین نے بڑے اطمینان سے اُسے گفتگو کا باقی حصّہ سُنایا تھا۔

"تم نے یہ سب کہا اُس سے، اس طرح۔" رئیسہ کو شدید صدمہ ہوا۔

"نہیں ایسے نہیں کہا تمہیں تو میں مہذّب انداز سے بتا رہا ہوں اُسے تو میں نے صاف صاف کہا کہ زیادہ سے زیادہ تین مہینے ہیں اور اس کے پاس۔۔۔ اگر تین مہینے میں وہ معزول نہ ہوا تو پھر رئیسہ سے دوسری شادی کر لینا۔" وہ دانت پر دانت رکھے حمین سکندر کو صرف دیکھ کر ہی رہ گئی۔ اس "گفتگو" کے بعد اگر ہشّام بن صباح نے اُسے اپنی زندگی سے نکال دیا تھا تو کوئی بھی خوددار شخص یہی کرتا۔

صباح بن جرّاح کے خلاف شاہی خاندان کے اندر شدید lobbying ہو رہی ہے۔۔۔ اور صباح بن جرّاح اپنی پوزیشن مضبوط کرنے کے لئے پرانے امیر کی فیملی میں شادی کروانا چاہتا ہے ہشّام کی۔۔۔ اور یہ ہو بھی گئی تب بھی وہ بہت دیر تخت پر نہیں رہ سکتا، اس کے

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

حریف بہت طاقتور لوگ ہیں اور صباح سے زیادہ بہتر حکمران ہو سکتے ہیں۔۔۔ اگر صباح ہٹ جاتا ہے تو پھر ہشّام کو کون رہنے دے گا وہاں۔۔۔ میں نے ہشّام کو یہ سب نہیں بتایا، تمہیں بتا رہا ہوں۔ اُس نے بر گر ختم کرتے ہوئے ہاتھ جھاڑے اور رئیسہ سے کہا۔

تم finance کر رہے ہو اُس کے حریفوں کو؟" اُسے رئیسہ سے جس آخری سوال کی توقع تھی، وہ یہ تھا۔ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے رہے پھر حمین نے کہا" میں صرف "بزنس "کر رہا ہوں۔۔۔ امریکہ میں صباح کے ساتھ۔۔۔ بحرین میں اُس کے مخالفین کے ساتھ۔" اُس نے بالآخر کہا۔ وہ گول مول اعتراف تھا"کیوں کر رہے ہو؟" رئیسہ نے جواباً اُس سے زیادہ تیکھے انداز میں اُس سے کہا۔ وہ اُس کا چہرہ دیکھتا رہا پھر اُس نے کہا۔

"For Family------Anything for Family"

رئیسہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں،
"مجھے خیرات میں ملی ہوئی محبت نہیں چاہیے۔" اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔
"وہ تمہارے لئے میرے اندازے سے زیادہ مخلص ہے۔۔۔ نہ ہوتا تو میں تمہیں بتا دیا۔۔۔ وہ تمہارے لئے بادشاہت چھوڑ دے گا۔" حمین نے دوٹوک انداز میں اُس سے کہا۔ وہ اُس کا چہرہ دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆☆

اُس نے اپنی ٹیلی سکوپ رائفل سے اُس ٹارگٹ کلر کو ٹریگر دباتے دیکھا۔ بے حد سکون اور اطمینان کے عالم میں۔۔۔ اُس نے اُس کی ہلکی سی مسکراہٹ بھی دیکھی تھی۔ پھر اُس نے اُس ٹارگٹ کلر کو بے حد مطمئن انداز میں سر اُٹھاتے اور ٹیلی سکوپ رائفل سے آنکھ ہٹاتے دیکھا اور اس وقت اُس نے اُسے شوٹ کیا۔ ایک مدھم ٹک کی آواز کے ساتھ اُس نے کھڑکی سے اُس کے بھیجے کو اُڑتے دیکھا تیّار کرنے والے اُس کے منتظر exit اور اپنے کمرے کے باہر بھاگتے قدموں کا شور۔۔۔ اُس کا مشن پورا ہو چکا تھا، اب اُس کے لئے تھے۔

☆☆☆☆

عنایہ نے اپنے ہاسپٹل کی پارکنگ میں داخل ہوتے ہوئے عبداللہ کی کال اپنے فون پر دیکھی۔ ایک لمحہ کے لئے وہ اُلجھی پھر اُس نے اُس کی کال ریسیو کی۔

مل سکتے ہیں؟"اُس نے سلام دعا کے بعد پہلا جملہ کہا۔ وہ ایک لمحہ خاموش رہی۔ "

"تم یہاں ہو؟"اُس نے پوچھا۔

تمہاری گاڑی کے پیچھے ہی ہے میری گاڑی۔"عنایہ نے بے اختیار بیک ویو مرر سے عقب میں عبداللہ کی گاڑی کو دیکھا جو اُسے dipper سے اشارہ کر رہا تھا۔

دس منٹ بعد پارکنگ میں گاڑی کھڑی کرتے ہوئے وہ اُس کی گاڑی میں آ گیا تھا۔اُس کے ہاتھ میں ایک پھول کے ساتھ دو شاخیں تھیں۔عنایہ نے کچھ کہے بغیر اُسے دیکھا، پھر وہ تھام لیں۔

وہ فون پر پہلے ہی احسن اور عائشہ کے ساتھ ہونے والی ملاقاتوں کے بارے میں اُسے بتا چکا تھا۔

"I am sorry"۔اُس نے کہا تھا۔

اس کی ضرورت نہیں۔"عنایہ نے جواباً کہا۔

"میں نے ہاسپٹل میں ڈاکٹر احسن کی امامت میں نماز پڑھنا چھوڑ دی۔"عنایہ نے چونک کر اُسے دیکھا۔"میں نے اُسے بتا دیا کہ اپنی بیوی کے ساتھ ایسا سلوک کرنے والا شخص امامت کا اہل نہیں، اُسے عائشہ کے خلاف سارے الزامات واپس لینے ہوں گے، اگر وہ دوبارہ امامت کروانا چاہتا ہے تو۔"عبداللہ بے حد سنجیدگی سے کہہ رہا تھا"اوہ تو اس لئے اُس نے کیس واپس لیا ہے۔"عنایہ نے بے اختیار کہا۔عبداللہ چونکا"اُس نے کیس واپس لے لیا؟

عنایہ نے مزید بتایا۔"یہ سب بے کار ہے "ہاں جبریل نے بتایا مجھے۔۔۔اُس نے ایک معذرت کا خط بھی لکھا ہے عائشہ کے نام اب۔۔۔وہ بہت زیادہ نقصان کر چکا ہے۔

"عائشہ کا؟"

"نہیں اپنا۔"عبداللہ کے لہجے میں افسردگی تھی۔

اچھے انسان recover کر جاتے ہیں ہر نقصان سے کیوں کہ اللہ اُن کے ساتھ ہوتا ہے، بُرے نہیں کر سکتے۔"عبداللہ کہہ رہا تھا۔

"He himself is the greatest liar"

وہ اپنے parents کے ساتھ بابا سے ملنے بھی آئے تھے، جبریل کی شکایت کرنے۔"عنایہ کہہ رہی تھی"بابا نے اُس کے باپ سے کہا کہ وہ دیکھے اُس کی منافقت اور تنگ نظری نے اُس کے اکلوتے بیٹے کو کیا بنا دیا ہے۔"

"شرمندہ ہوئے؟"عبداللہ نے پوچھا۔"پتہ نہیں خاموش ہوگئے تھے۔۔۔احسن سعد کی ماں رونے لگی تھی پتہ نہیں کیوں، پھر وہ چلے گئے۔"عنایہ نے کہا۔

"تم نے مجھے معاف کر دیا؟"عبداللہ نے یک دم پوچھا۔وہ مسکرا دی"ہاں۔۔۔ایسی کوئی بڑی غلطی تو نہیں تھی تمہاری کہ معاف ہی نہ کرتی۔"عبداللہ نے ایک کارڈ اُس کی طرف بڑھایا۔وہ بے اختیار ہنسی"اب سب کچھ زبان سے کہنا سیکھو۔۔۔سب کچھ لکھ لکھ کے کیوں بتاتے ہو۔"وہ کارڈ کھولتے ہوئے اُس سے کہہ رہی تھی، پھر وہ بات کرتے کرتے ٹھٹھک گئی۔ایک ہاتھ سے بنے ہوئے کارڈ پر صرف ایک جملہ لکھا ہوا تھا۔

"تم مجھ سے شادی کرو گی؟"عنایہ نے اپنی شرٹ کی جیب میں اٹکے بال پوائنٹ کو نکال کر اُس تحریر کے نیچے لکھا۔

"ہاں"عبداللہ مسکرایا اور اُس نے اُس کا بال پوائنٹ لیتے ہوئے لکھا۔

"کب؟ "

عنایہ نے لکھا

"پھولوں کے موسم میں۔ "

عبداللہ نے لکھا۔

"بہار؟"

عنایہ نے لکھا۔

ہاں"عبداللہ نے کارڈ پر ایک دل بنایا، عنایہ نے ایک اور۔۔۔عبداللہ نے ایک smiley بنایا۔۔۔عنایہ نے ایک اور۔۔۔

کارڈ لکیروں، حرفوں، ہندسوں، جذبوں سے بھرتا جا رہا تھا اور ہر شے صرف محبت کی ترجمان تھی جو اللہ تعالیٰ کی بہترین نعمتوں میں سے ایک ہے اور جسے پانے والے خوش نصیب۔۔۔وہ دونوں دو خوش نصیب تھے جو اُس کارڈ کو عہد اور تجدیدِ عہد سے بھر رہے تھے۔

☆☆☆☆

لفٹ کا دروازہ کھلا۔سالار نے اپنی گھڑی دیکھی۔اُس کے دو سیکورٹی گارڈز اُس سے پہلے لفٹ سے نکل گئے تھے۔اُس کا باقی کا عملہ اُس کے لفٹ سے نکلنے کے بعد پیچھے لپکا تھا۔کوریڈور میں تیز قدموں سے چلتے وہ استقبال کرنے والے officials سے ملا تھا۔اُس

نے گھڑی ایک بار پھر دیکھی تھی۔ ہمیشہ کی طرح وہ وقت پر تھا۔۔۔ چند سیکنڈز کے بعد وہ بینکویٹ ہال میں داخل ہو جاتا۔۔۔ وہاں جو ہونے والا تھا، وہ اُس سے بے خبر تھا۔ بے خبری زندگی میں ہر بار نعمت نہیں ہوتی۔

☆☆☆☆

TV پر چلتی اُس خبر کو دیکھتے ہوئے سالار گنگ تھا۔ آخری چیز جو وہ اپنی زندگی اور کیریئر کے اس سٹیج پر ہوتا توقع کر سکتا تھا، وہ یہ تھی۔ رحم کھا کر گود لی گئی بچی کو اُس کے گناہ کے طور پر پوری دُنیا میں دکھایا جا رہا تھا اور یہ سب کہنے والا اُس بچّی کا اپنا باپ تھا۔ جس کی بیوی کی سالار نے کبھی شکل بھی نہیں دیکھی تھی۔۔۔ افیئر اور ناجائز اولاد تو دور کی بات تھی۔ وہ طاقت کا کھیل تھا۔۔۔ جنگ تھی۔۔۔ اور جنگ میں سب جائز ہوتا ہے۔ یہ کہنا کہ سازش کی جا رہی تھی۔۔۔ نیروبی میں ہونے والے SIF اور TAI کے اُس اشتراک کو ہونے سے پہلے توڑنے کی کوشش کی جا رہی تھی، بے کار تھا۔

وہ اُس وقت نیویارک ایئرپورٹ پر ایک فلائٹ لینے کے لئے موجود تھا جب پہلی بار وہ خبر بریک ہوئی تھی اور اُس نے بزنس کلاس کے departure lounge میں دیکھی تھی۔ اُس کے ساتھ موجود اُس کے سٹاف نے ایک کے بعد ایک نیوز چینلز کی update کو اُس کے ساتھ شیئر کرنا شروع کر دیا تھا۔۔۔ سالار سکندر نے وہاں بیٹھے سب سے پہلی کال امامہ کو کی تھی۔ اور اُس نے اُس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی اُس سے کہا تھا۔

"مجھے کوئی وضاحت دینے کی ضرورت نہیں، نہ مجھے نہ تمہارے بچوں کو۔۔۔ "

"رئیسہ سے بات کرو۔" سالار نے جواباً اُس سے کہا تھا "مجھے اپنے سے زیادہ تکلیف اس بات کی ہے کہ وہ اُس کی تصویریں چلا رہے ہیں۔" اُس نے امامہ سے کہا تھا۔ وہ اپ سیٹ تھا اس کا اندازہ امامہ کو اُس کی آواز سے بھی ہو رہا تھا۔

"یہ وقت بھی گزر جائے گا سالار۔" امامہ نے اُس سے کہا تھا، تسلی دینے والے انداز میں۔

ہم نے اس سے زیادہ برا وقت دیکھا ہے۔" سالار نے سر ہلایا تھا، ممنونیت کے عجیب سے احساس کے ساتھ۔ گھر میں بیٹھی وہ عورت اُن سب کے لئے عجیب طاقت تھی۔۔۔ عجیب طرح سے حوصلہ دیے رکھتی تھی اُن کو۔۔۔ عجیب طریقے سے ٹوٹنے سے بچاتی تھی۔

☆☆☆☆

وہ یہاں کسی جذباتی ملاقات کے لئے نہیں آتی تھی۔۔۔ سوال و جواب کے کسی لمبے چوڑے سیشن کے لئے بھی نہیں۔۔۔ لعنت و ملامت کے کسی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے بھی نہیں۔۔۔ وہ یہاں کسی کا ضمیر جھنجھوڑنے آئی تھی، نہ ہی کسی سے نفرت کا

اظہار کرنے کے لئے۔۔۔نہ ہی وہ کسی کو یہ بتانے آئی تھی کہ وہ اذیت کے ماؤنٹ ایورسٹ پر کھڑی ہے۔نہ ہی وہ اپنے باپ کو گریبان سے پکڑنا چاہتی تھی۔۔۔نہ اسے یہ بتانا چاہتی تھی کہ اس نے اس کی زندگی تباہ کر دی تھی۔۔۔اس کے صحت مند ذہن اور جسم کو ہمیشہ کے لئے مفلوج کر دیا تھا۔

یہ سب کچھ کرتی، اگر اسے یقین ہوتا کہ یہ سب کرنے کے بعد اسے سکون مل جائے گا۔اس کا باپ احساس وہ یہ سب کچھ کہتی۔۔۔ جرم یا پچھتاوے جیسی کوئی چیز پالنے لگے گا۔

پچھلے کئی ہفتے سے وہ آبلہ پا تھی۔وہ راتوں کو سکون آور گولیاں لیے بغیر سو نہیں پارہی تھی اور اس سے بڑھ تکلیف دہ چیز یہ تھی کہ وہ سکون آور ادویات لینا نہیں چاہتی تھی۔۔۔وہ سونا نہیں چاہتی تھی۔۔۔وہ سوچنا چاہتی تھی اس بھیانک خواب کے بارے میں، جس میں وہ چند ہفتے پہلے داخل ہوئی تھی اور جس سے اب وہ ساری زندگی نہیں نکل سکتی تھی۔

وہ یہاں آنے سے پہلے پچھلی پوری رات روتی رہی تھی۔یہ بے بسی کی وجہ سے نہیں تھا۔یہ اذیت کی وجہ سے بھی نہیں تھا۔یہ اس غصے کی وجہ سے تھا جو وہ اپنے باپ کے لئے اپنے دل میں اتنے دنوں سے محسوس کررہی تھی۔ایک آتش فشاں تھا یا جیسے کوئی الاؤ، جو اس کو اندر سے سلگا رہا تھا، اندر سے جلا رہا تھا۔

کسی سے پوچھے، کسی کو بتائے بغیر یوں اٹھ کر وہاں آجانے کا فیصلہ جذباتی تھا، احمقانہ تھا اور غلط تھا۔۔۔اس نے زندگی میں پہلی بار ایک جذباتی، احمقانہ اور غلط فیصلہ بے حد سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ایک اختتام چاہتی تھی وہ اپنی زندگی کے اس باب کے لئے، جس کے بغیر وہ آگے نہیں بڑھ سکتی تھی اور جس کی موجودگی کا انکشاف اس کے لئے دل دہلا دینے والا تھا۔

اس کا ایک ماضی تھا۔وہ جانتی تھی لیکن اسے کبھی یہ اندازہ نہیں تھا کہ اس کے ماضی کا "ماضی" بھی ہو سکتا تھا۔ایک دفعہ کا ذکر تھا جب وہ "خوش" تھی اپنی زندگی میں۔۔۔جب وہ خود کو باسعادت سمجھتی تھی۔۔۔اور "مقرب" سے "ملعون" ہونے کا فاصلہ اس نے چند سیکنڈز میں طے کیا تھا۔چند سیکنڈز شاید زیادہ وقت تھا۔۔۔شاید اس سے بھی بہت کم وقت تھا جس میں وہ احساس کمتری، احساس محرومی، احساس ندامت اور ذلت و بدنامی کے ایک ڈھیر میں تبدیل ہوئی تھی۔

اور یہاں وہ اس ڈھیر کو دوبارہ وہی شکل دینے آئی تھی۔۔۔اس بوجھ کو اس شخص کے سامنے اتار پھینکنے آئی تھی، جس نے وہ بوجھ اس پر لادا تھا۔۔۔زندگی۔

کسی کو پتا ہوتا تو وہاں آہی نہیں سکتی تھی۔۔۔اس کا سیل فون پچھلے کئی گھنٹوں سے کسی کو اس وقت یہ پتا نہیں تھا کہ وہ وہاں تھی۔۔۔ آف تھا۔وہ چند گھنٹوں کے لئے خود کو اس دنیا سے دور لے آئی تھی، جس کا وہ حصہ تھی۔اس دنیا کا حصہ، یا پھر اس دنیا کا حصہ جس اور جہاں کی تھی، جس سے تعلق میں وہ اس وقت موجود تھی۔۔۔؟ یا پھر اس کی کوئی بنیاد نہیں تھی۔۔۔؟ وہ کہیں کی نہیں تھی۔۔۔ رکھتی تھی، اس کو اپنا نہیں سکتی تھی۔

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

انتظار لمبا ہو گیا تھا۔۔۔ انتظام یہ ہمیشہ لمبا ہوتا ہے۔۔۔ کسی بھی چیز کا انتظار ہمیشہ لمبا ہوتا ہے۔۔۔ چاہے آنے والی شے پاؤں کی زنجیر بننے والی ہو یا گلے کا ہار۔۔۔ سر کا تاج بن کر سجنا ہو اس نے یا پاؤں کی جوتی۔۔۔ انتظار ہمیشہ لمبا ہی لگتا ہے۔

رئیسہ سالار صرف ایک سوال کا جواب چاہتی تھی اپنے باپ سے۔۔۔ صرف ایک چھوٹے سے سوال کا۔۔۔ اس نے اس کی فیملی کو کیوں مار ڈالا تھا؟ اور اگر اُنہیں مار ڈالا تھا اور اُسے کیوں چھوڑ دیا تھا۔ یا اُس کی زندگی اُس کے باپ کی چوک کا نتیجہ تھی۔۔۔ سوالات کا ایک انبار تھا جو وہ اُس سے کرنا چاہتی تھی۔

اُس نے ویٹنگ ایریا میں بیٹھے اپنی سُلگتی آنکھوں کو ایک بار پھر مسلا۔۔۔ وہ پتہ نہیں کتنی راتوں سے سو نہیں پائی تھی۔۔۔

ایک بھیانک خواب تھا پچھلے دو ہفتے، جس میں اُسے پہلی بار میڈیا سے پتہ چلا تھا کہ اُس کا باپ کون تھا۔۔۔ وہ کون تھی۔۔۔ کہاں سے تھی۔۔۔ وہ سالار سکندر اور امامہ ہاشم کی بیٹی نہیں تھی، وہ یہ جانتی تھی لیکن اُسے ہمیشہ یہی بتایا گیا تھا کہ وہ سالار کے ایک دوست کی بیٹی تھی جو ایک حادثے میں اپنی بیوی سمیت مارا گیا تھا اور پھر سالار نے اُسے adopt کر لیا۔ مگر اب اُس کی زندگی میں اچانک غلام فرید آ گیا تھا جسے TV پر دیکھتے ہوئے بھی اُس کا ذہن اُس سے کسی بھی رشتہ سے انکاری تھا۔ مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتی تھی۔

☆☆☆☆

وہ سب اُس turmoil میں اُس کے پاس آ گئے تھے۔۔۔ حمین، جبریل، عنایہ، امامہ، سالار اور ہشّام بھی۔۔۔ اُسے یہ بتانے کہ اُنہیں فرق نہیں پڑتا کہ وہ کون تھی، کیا تھی۔۔۔ وہ اُن کے لئے رئیسہ تھی۔۔۔ وہی پہلے والی رئیسہ۔۔۔ وہ اُن سب کی شکر گزار تھی، ممنون تھی، احسان مند بھی۔۔۔ اور اُس نے اُن سب کو یہ احساس دلایا تھا کہ وہ بالکل ٹھیک تھی، مگر وہ ٹھیک نہیں تھی۔۔۔ اندر ہونے والی توڑ پھوڑ بے حد شدید تھی۔ اس لئے بھی کہ وہ اُس خاندان کے ذلّت اور رسوائی کا سبب بن رہی تھی جنھوں نے اُس پر رحم کھاتے ہوئے اُس کو پالا تھا۔ اُسے ایک لحظہ بھر کے لئے بھی سالار سکندر پر اپنے باپ کے لگائے ہوئے الزامات کے جھوٹا ہونے میں کوئی شک نہیں ہوا تھا اور اُس کے یہاں آنے کی وجہ بھی وہی الزامات بنے تھے۔ وہ کسی کو بتائے بغیر صرف اپنے تعلقات کو استعمال کرتے ہوئے یہاں تک آنے میں کامیاب ہوئی تھی۔۔۔ اپنے خاندان کو بے خبر رکھتے ہوئے۔

غلام فرید جیل کے ایک اہلکار کے ساتھ بالآخر اُس کمرے میں داخل ہوا تھا، جہاں وہ بیٹھی ہوئی تھی۔ دونوں اب خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھا پھر وہ جیل اہلکار وہاں سے چلا گیا۔ غلام فرید کچھ نروس انداز میں اُسے دیکھ رہا تھا، وہ کئی لمحے اُسے دیکھتی رہی پھر اُس نے مدہم آواز میں کہا۔

http://paksociety.com

"آپ نے مجھے پہچانا؟ "

"نہیں "ایک لحظہ کی تاخیر کے بعد غلام فرید نے کہا۔

میں آپ کی سب سے چھوٹی بیٹی ہوں۔۔۔ جسے مارنا بھول گئے تھے آپ۔"وہ طنز نہیں تعارف تھا اور اُس کے علاوہ اپنا تعارف کسی اور طرح سے نہیں کرواسکتی تھی وہ۔

چُنّی "بہت دیر غلام فرید اُس کا چہرہ دیکھتے رہنے کے بعد بے ساختہ بڑبڑایا تھا۔ رئیسہ نے ہونٹ بھینچ لئے، اُس کی آنکھیں پانی سے " بھر گئی تھیں۔ اُس کے باپ نے بالآخر اُسے پہچان لیا تھا۔ وہ اب اُس کا وہ نام یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا جو اُس نے لکھوایا تھا پر یاد نہیں کر سکا۔ اُس نے چُنّی کو ایک بار پھر دیکھا۔۔۔ بغور دیکھا۔۔۔ وہ میم صاحب لگ رہی تھی، اپنی سانولی رنگت کے باوجود۔۔۔ اُس کی بیٹی تو نہیں لگ رہی تھی، وہ جانتا تھا اُس کی آخری اولاد کی پرورش سالار سکندر نے کی تھی۔۔۔ یہ اُسے اُن لوگوں نے بتایا تھا جو بار بار اُسے بہت کچھ یاد کروانے اور پھر دہروانے کے لئے آتے تھے۔ اُسے چُنّی کو دیکھ کر اپنی بیوی یاد آئی تھی۔۔۔ ایک نیلی جینز اور سفید شرٹ میں بال ایک جوڑے کی شکل میں لپیٹے گلاسز آنکھوں پر لگائے، گلے میں ایک باریک چین میں لٹکتا اللہ کے نام کا لاکٹ پہنے، کلائی میں ایک قیمتی گھڑی پہنے اُس کے سامنے ایک کُرسی پر ٹانگ پر ٹانگ رکھے چُنّی نے اُسے اپنی ماں کی یاد دلائی تھی۔۔۔ اُس کے نین نقش ویسے تھے۔۔۔ سارے حلیے میں صرف نین نقش ہی تھے جو وہ پہچان پایا تھا۔۔۔ ورنہ وہ بیمار رہنے والی لاغر، کمزور اور ہر وقت روتی ہوئی چُنّی ایسے کیسے بن گئی تھی کہ اُس کے سامنے بیٹھے غلام فرید کو اُس کے سامنے اپنا وجود کمتر لگنے لگا تھا۔۔۔ پر پتہ نہیں اپنی ایک بچ جانے والی اولاد کو ایسے اچھے حلیے میں دیکھتے ہوئے غلام فرید کو ایک عجیب سی خوشی بھی ہوئی تھی، وہ اُس لمحے بھول گیا تھا کہ وہ اپنی اس اولاد پر ناجائز اولاد کا لیبل لگا رہا تھا۔۔۔ برسوں بعد اُس نے کوئی "اپنا" دیکھا تھا اور اپنا دیکھ کر وہ پھر بھول گیا تھا۔

ایک لفافے میں موجود کچھ کھانے پینے کی چیزیں اُس نے باپ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا" یہ میں آپ کے لئے لائی تھی "غلام فرید نے عجیب حیرت سے اُس لفافے کو دیکھا اور پھر کانپتے ہاتھوں سے اُسے تھام لیا، وہ سارے سوالات جو وہ غلام فرید سے کرنا چاہتی تھی یک دم دم توڑتے چلے گئے تھے۔۔۔ وہ نحیف و نزار شخص جو اُس کے سامنے اپنی زندگی کی آخری سیڑھی پر کھڑا تھا، اُس سے وہ سوال اب کرنا بے کار تھا۔ اُسے اُس پر ترس آگیا تھا، وہ اُسے اب کسی کٹہرے میں کھڑا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

غلام فرید نے گلاسز اُتار کر اپنی آنکھیں صاف کرتی ہوئی اُس لڑکی کو دیکھا جس نے کچھ دیر پہلے اُس سے اپنا تعارف کروایا تھا۔

"تم پڑھتی ہو؟"اُس نے بالآخر پوچھا، عجیب سے انداز میں۔۔۔ رئیسہ نے سر اُٹھا کر غلام فرید کا چہرہ دیکھا، پھر سر ہلایا۔ غلام فرید کا چہرہ چمکا۔

"زیادہ پڑھنا۔"

رئیسہ کی آنکھوں میں نمی پھر اُتری۔

میں اور تمہاری ماں سوچتے تھے کبھی پڑھائیں گے بچوں کو زیادہ۔۔۔اور۔۔۔" غلام فرید نے یادوں کے کسی دُھندلکے کو لفظوں میں بدلا پھر چُپ ہو گیا۔

"صاحب کو میرا شکریہ کہنا۔۔۔اور دوبارہ جیل مت آنا۔" غلام فرید نے چند لمحے بعد کہا اور رئیسہ کی آنکھوں کی نمی اب اُس کے گالوں پر پھیلنے لگی تھی۔ غلام فرید کے لئے سالار سکندر ایک بار پھر "صاحب" ہو گیا تھا۔ اپنی اولاد کو ایسی اچھی حالت میں دیکھ کر رئیسہ کو لگا تھا اُس کا باپ شرمندہ بھی تھا۔

وہ اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ بھی کھڑا ہو گیا تھا۔ پھر وہ آگے بڑھا اور اُس نے رئیسہ کے سر پر ہاتھ پھیرا، وہ اُسے گلے لگاتے ہوئے جھجکا تھا۔۔۔شاید لگانا چاہتا تھا۔ اُس نے آگے بڑھ کر خود غلام فرید کو گلے لگایا تھا پھر وہ اُس سے لپٹ کر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا۔۔۔اپنے باقی بچوں اور بیوی کے ناموں کو پکارتے ہوئے۔

☆☆☆☆

وہ بڑا ہلکا وجود لئے امریکہ واپس آئی تھی اور امریکہ پہنچ کر بالآخر اُس نے اپنا نمبر آن کیا تھا۔۔۔اور اُس کا فون یک دم سارے رشتوں سے جاگنے لگا تھا۔۔۔ پیغامات کا انبار تھا اُس کی فیملی کی طرف سے۔۔۔ایئرپورٹ سے گھر تک پہنچتے پہنچتے وہ اُن سب پیغامات کو پڑھتی گئی تھی۔ نم آنکھوں کے ساتھ۔۔۔ایک کے بعد ایک پیغامات کا thread اور پھر ایک آخری پیغام ہشّام کی طرف سے۔۔۔بادشاہ نے تخت چھوڑ دیا تھا۔۔۔کیوں؟۔۔۔اُس نے یہ نہیں لکھا تھا۔ اُسے حمین یاد آیا تھا، اُس کے لفظ۔

گھر کے باہر سالار کے ساتھ ساتھ حمین کی بھی گاڑی تھی۔ رئیسہ نے بیل بجائی۔۔۔کچھ دیر بعد یہ سالار سکندر تھا جس نے دروازہ کھولا تھا۔

دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھر وہ آگے بڑھ کر سالار سے لپٹ گئی تھی۔۔۔بالکل اُس ہی طرح جب وہ ڈیڑھ سال کی عمر میں اُس سے لپٹی تھی اور پھر الگ نہیں ہوئی تھی۔ سالار اُسے بچوں کی طرح تھپکتا رہا۔۔۔وہ امریکہ واپس آنے سے پہلے پاکستان میں ایک پریس کانفرنس میں اپنا Paternity Test اور غلام فرید کا بیان میڈیا کے ساتھ شیئر کر کے آئی تھی اور ایک وکیل کے ذریعے اپنے خاندان کی واحد وارث ہونے کے طور پر اپنے باپ کو معاف کرنے کا حلف نامہ بھی۔۔۔وہ طوفان جو سالار سکندر اور اُس کے خاندان کو ڈبونے کے لئے آیا تھا، وہ اس بار رئیسہ نے روکا تھا۔

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com
پاکسوسائٹی ڈاٹ کام

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

اور وہاں اب سالار سکندر کے سینے سے لگی بچوں کی طرح روتی رئیسہ کو دیکھتے ہوئے اُسے کوئی دلیر نہیں کہہ سکتا تھا۔۔۔وہ بھی سالار سکندر کا ہی خانوادہ تھی۔ خون کا رشتہ نہ ہونے کے باوجود، رحم اور مہربانی کے مضبوط ترین رشتوں سے اُن کے ساتھ جوڑی گئی۔ اپنے نام کے ساتھ سالار کا نام استعمال کرتے ہوئے بھی وہ اپنے باپ کے نام سے واقف تھی مگر وہ باپ جیل میں سزائے موت کا ایک قیدی تھا، سالار کا دوست نہیں، وہ اس سے واقف نہیں تھی۔ اور اس "واقفیت" کے بعد اُسے اُس خاندان کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو گیا تھا جو اُس کا تعارف تھا۔

"میں نے تمہیں رونا تو کبھی نہیں سکھایا رئیسہ۔۔۔نہ ہی رونے کے لئے تمہاری پرورش کی ہے۔ سالار نے اُسے خود سے الگ کرتے ہوئے کہا۔ وہ اب اپنے آنسوؤں پر قابو پا رہی تھی۔ اور اُس نے سالار کے عقب میں کُھلے دروازے سے حمین اور امامہ دونوں کو دیکھا تھا۔

"آخری بار روئی ہوں بابا۔" اُس نے گیلی آنکھوں کے ساتھ مسکراتے ہوئے کہنے کی کوشش کی اور اُس کی آواز پھر بھرّا گئی۔

"You belong to us" سالار نے اُسے جتانے والے انداز میں کہا۔ "اور تم سمجھدار اور بہت بہادر ہو۔۔۔ہم نے یہی سکھایا ہے تمہیں۔" وہ جیسے اُسے یاد دہانی کروا رہا تھا۔ وہ سر ہلانے لگی تھی۔ زندگی میں کبھی کوئی ایسا موقع آتا جب وہ اُنہیں اپنی احسان مندی دکھا سکتی تو اُنہیں بتاتی کہ اپنے حقیقی باپ سے ملنے کے بعد اُسے پہلی بار یہ احساس ہوا تھا کہ وہ بے حد خوش قسمت تھی۔۔۔ واقعی خوش قسمت تھی کہ وہ سالار سکندر کے خاندان کا حصّہ بنی تھی، اُسے وہ own کرتے تھے۔

☆☆☆☆

9:15 منٹ پر بالآخر لفٹ کا دروازہ کھلا تھا اور حمین سکندر اپنے دو ذاتی محافظوں کے پیچھے باہر نکلا تھا، اُس کے پیچھے اُس کے عملے کے باقی افراد باقی تھے۔ کوریڈور میں پریس فوٹو گرافرز اور چینلز کے افراد بھی تھے جو ہر آنے والی اہم شخصیت کی coverage کر رہے تھے، اُس سے پانچ منٹ پہلے وہاں سے سالار سکندر گزر کر گیا تھا اور اب وہ وہاں آیا تھا اُس تقریب کے دو اہم ترین لوگ۔۔۔

بے حد تیز رفتاری سے قدم اُٹھاتے حمین سکندر کوریڈور میں اُس کی آمد کی کوریج کرتے پریس فوٹو گرافرز پر نظر ڈالتے اپنا استقبال کرتے ہوئے officials کے ساتھ بڑی تیزی سے بینکوئیٹ ہال کے داخلی دروازے کی طرف جا رہا تھا، جب اُسے یک دم اپنے عقب میں آتے اپنی ٹیم کے ایک ممبر سے کچھ پوچھنے کا خیال تھا۔۔۔ اپنے Chief Finance Strategist سے۔۔۔ وہ لمحہ بھر کے لئے رُکا، پلٹا اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہہ پاتا اُس نے اپنی گردن کی پشت میں کوئی سلاخ گھستی محسوس ہوئی تھی۔۔۔ پھر شیشہ

ٹوٹنے کی آوازیں اور پھر چیخوں کی اور پھر کوئی اُسے زمین پر گراتا ہوا اُس پر لیٹا تھا۔۔۔ پھر کوئی چیخا تھا "سامنے والی بلڈنگ سے گولی چلائی گئی ہے۔" اور اُس وقت پہلی بار حمین کو احساس ہوا اُس کی گردن کی پشت پر کیا ہوا تھا۔۔۔ تکلیف شدید تھی، لیکن تکلیف ناقابلِ برداشت تھی۔ وہ حواس میں تھا۔۔۔ سب کچھ سُن رہا تھا۔۔۔ اُسے اب زمین پہ ہی گھسیٹتے اُس کی سیکورٹی ٹیم وہاں سے لفٹ کی طرف لے جا رہی تھی اور اُس وقت حمین کو پہلی بار سالار سکندر کا خیال آیا تھا اور اُس کا دل اور دماغ بیک وقت ڈوبے تھے۔

☆☆☆☆

سالار سکندر نے بینکوئیٹ ہال میں سٹیج پر رکھی اپنی نشست پر بیٹھے ہوئے اپنی تقریر کے notes پر ایک نظر ڈالتے ہوئے اُس بینکوئیٹ ہال کی داخلی دروازے کے بالمقابل ایک کھڑکی کے شیشے ٹوٹنے کی آواز سُنی تھی۔ اُس نے بے یقینی سے بہت دور اُس شیشے کی گرتی کرچیاں دیکھی تھیں۔۔۔ وہ ساؤنڈ پروف بلٹ پروف شیشے تھے۔۔۔ ٹوٹ کیسے رہے تھے۔۔۔؟؟ ایک لمحہ کے لئے اُس نے سوچا تھا اور پھر اُس نے ہال کے عقبی حصّے اور باہر کوریڈور میں شور سُنا تھا اور اس سے پہلے وہ کچھ سمجھ سکتا، اُس سمیت سٹیج پر بیٹھے ہوئے لوگوں کو سیکورٹی گارڈز نے کور کرتے ہوئے سٹیج کے عقب میں کھینچتے ہوئے فرش پر لیٹنے کا کہہ رہا تھا۔ ہال میں اب شور تھا۔ گارڈز چِلّا چِلّا کر orders دے رہے تھے اور جس جس اہم شخصیت کے ساتھ وہ سیکورٹی پر مامور تھے۔ وہ اُسے cover کرنے میں مصروف تھے۔ وہاں موجود ہر شخص خاص تھا۔۔۔ اہم۔۔۔ وہ دُنیا کے بہترین اثاثوں کا مجمع تھا، جو اب زندگی بچانے کی جدوجہد میں مصروف تھے اور وہاں زمین پر اوندھے منہ لیٹے سالار کو حمین کا خیال آیا تھا اور اُس کا دل کسی نے مٹھی میں لیا تھا۔ ہال میں اُس کے بعد حمین سکندر کو داخل ہونا تھا۔۔۔ اور وہ نہیں آیا تھا۔۔۔ تو کیا یہ حملہ اُس پر۔۔۔ وہ سوچ نہیں سکا، وہ زمین سے اُٹھ گیا۔۔۔ گارڈز نے اُسے روکنے کی کوشش کی۔۔۔ اُس نے اُنہیں دھکا دیا اور چِلّایا Go away وہ اُس کے پیچھے لپکے تھے۔ وہ زمین پر لیٹے لوگوں کو پھلانگتا، کھڑے گارڈز سے ٹکراتا داخلی دروازے تک آگیا تھا جو اس وقت سیکورٹی آفیشلز سے بھرا ہوا تھا۔۔۔ اور اس ہجوم میں بھی اُس نے ریسپشن رنر کے ساتھ سفید ماربل کے فرش پر خون کے دھبے دیکھے تھے جو پورے فرش پر لفٹ تک گئے تھے۔

"کس کو گولی لگی ہے؟" اُس نے اپنے سرد ہوتے وجود کے ساتھ وہاں ایک سیکورٹی آفیشل کا کندھا پکڑ کر پوچھا۔

"حمین سکندر" سالار کے پیروں سے جان نکل گئی تھی، وہ لڑکھڑایا تھا۔ اُن دونوں سیکورٹی گارڈز نے اُسے سنبھالا۔

"Is he alive؟" ۔ اُس نے اُس سیکورٹی اہلکار سے دوبارہ پوچھا۔ جواب نہیں آیا۔

☆☆☆☆

http://paksociety.com

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

پاک سوسائٹی پر مُوجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

امامہ اُس ہوٹل کے ساتویں فلور پر سالار سکندر کے کمرے میں تھے۔ وہ ایک suite تھا اور اُن کے برابر کے کمرے میں حمین رہ رہا تھا۔ امریکہ شفٹ ہو جانے کے بعد امامہ سالار کے ہر سفر میں اُس کے ساتھ جا رہی تھی۔ اس سفر میں حمین بھی اُن کے ساتھ تھا۔ وہ اُس ہی کے ذاتی طیّارے پر آئے تھے۔۔۔ افریقہ وہ دو دہائیوں سے بھی زیادہ عرصے کے بعد آئی تھی اور اس بار وہ بھی جانا چاہتے تھے۔۔۔ اپنی پرانی یادیں تازہ کرنے کے لئے۔۔۔ اُن تینوں نے کچھ دیر پہلے اکٹھے ہی کمرے میں ناشتہ کیا تھا۔۔۔ اس کانفرنس کے بعد وہ سہ پہر کو کنشاسا جانے والے تھے اور امامہ اُس وقت اپنی پیکنگ میں مصروف تھی۔ وہ کچھ دیر پہلے اُس suite میں اپنے اور حمین کے بیڈ رومز کا درمیانی دروازہ کھول کر اُس کا سامان بھی پیک کر آئی تھی، اپنے بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے اُس نے اپنے کمرے کے دروازے پر زوردار دستک سُنی تھی۔ وہ بُری طرح ہڑبڑائی، پھر اُس نے جا کر دروازہ کھولا۔۔۔ پورا کوریڈور سیکورٹی آفیشلز سے بھرا ہوا تھا اور وہ تقریباً ہر کمرے کے دروازے پر تھے۔

"آپ ٹھیک ہیں؟" اُن میں سے ایک نے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ کیوں؟" اُس نے حیرانی سے کہا۔ وہ دونوں بڑی تہذیب سے اُسے ہٹاتے ہوئے اندر چلے آئے تھے اور اُنہوں نے اندر آتے ہی کھڑکی کے کھلے ہوئے بلائنڈز بند کئے تھے۔ پھر اُن میں سے ایک حمین کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا تھا اور کچھ دیر بعد لوٹا۔

کیا بات ہے؟" امامہ اب شدید تشویش کا شکار ہوئی تھی۔ "ایک ایمرجنسی ہو گئی ہے۔۔۔ آپ کمرے سے باہر مت نکلیں۔۔۔ اگر کچھ مسئلہ ہو تو ہمیں بتا دیں۔" اُن میں سے ایک اُسے کہہ رہا تھا دوسرا اُس کا باتھ روم اور وارڈروب برق رفتاری سے چیک کر آیا تھا۔ وہ جس تیز رفتاری سے آئے تھے، اُس ہی تیز رفتاری سے باہر نکل گئے تھے۔۔۔ امامہ کو ہول آیا تھا۔ وہ سالار اور حمین کو اُس وقت فون نہیں کر سکتی تھی کیوں کہ فون سروس اُس وقت کام نہیں کر رہی تھی، مگر اُس نے TV آن کر لیا تھا، جہاں پر لوکل اور بین الاقوامی چینلز اس کانفرنس کی لائیو کوریج کرنے میں مصروف تھے۔ سکرین پر پہلی تصویر اُبھرتے ہی امامہ کھڑی نہیں رہ سکی، وہ صوفہ پر بیٹھ گئی۔۔۔ TV کی سکرین پر وہ ٹوٹی ہوئی کھڑکی تھی۔۔۔ اور بینکوئیٹ ہال کے باہر ہوا سے ڈرون کیمروں کے ذریعے فضائی مناظر دکھائے جا رہے تھے۔۔۔

سکرین پر caption بار بار نمودار ہو رہا تھا۔۔۔ جو اُس گلوبل کانفرنس پر ہونے والے حملے اور فائرنگ کی خبر بریکنگ نیوز کی طرح سے چلا رہے تھے۔۔۔ مگر یہ وہ caption نہیں تھا جس نے امامہ کو بدحواس کیا تھا۔۔۔ وہ دوسرا ticker تھا جو بار بار آ رہا تھا۔

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

وہ TAI کے سربراہ حمین سکندر اس حملے میں شدید زخمی۔ امامہ کو لگا اُسے سانس آنا بند ہو گیا تھا۔ اُس نے اُٹھنے کی کوشش کی۔۔۔ اُٹھ نہیں سکی۔۔۔ اُس نے چیخنے کی کوشش کی تھی، وہ وہ بھی نہیں کر سکی۔۔۔ افریقہ اُس کے لئے منحوس تھا۔ اُس نے سوچا تھا اور اپنے کمرے کے دروازے پر اُس نے دھڑ دھڑاہٹ سُنی اور پھر اُس نے حمین سکندر کے کمرے کا دروازہ کُھلتے دیکھا۔

☆☆☆☆

سالار سکندر کو سیکورٹی آفیشلز روک نہیں پائے تھے۔۔۔ پکڑنے، سمجھانے، آگے جانے سے روکنے کی کوشش کے باوجود۔۔۔ وہ برق رفتاری سے اُن چار lifts میں سے اُس لفٹ کی طرف گیا تھا جس طرف خون کے وہ دھبے گئے تھے۔ سیکورٹی آفیشلز اب اُسے عقب سے کور کر رہے تھے۔ وہ اُسی کھڑکی کے سامنے خود کو ایک بار پھر expose کر رہا تھا جہاں اب شیشہ نہیں تھا اور اُس کے سامنے کی عمارت سے فائرنگ ہوئی تھی۔۔۔ سامنے والی عمارت کو اب گھیرے میں لیا جا رہا تھا اور جب تک وہاں security clearance نہیں ہو جاتی وہ ہال سے کسی کو ایک بار پھر اُن کھڑکیوں کے سامنے سے گزر کر lifts تک جانے کا خطرہ مول لینا نہیں چاہتے تھے۔۔۔ مگر سالار سکندر کو وہ کوشش کے باوجود نہیں روک سکے تھے۔

لفٹ کا دروازہ اب کُھل گیا تھا۔۔۔ اور اُس کا فرش بھی خون آلود تھا۔۔۔ بہت زیادہ نہیں لیکن فرش یہ بتا رہا تھا کہ وہ جو بھی تھا۔۔۔ شدید زخمی تھا۔ لفٹ کے اندر پہنچنے کے بعد سالار کو سمجھ نہیں آئی وہ اُس کے بعد آگے کیا کرے۔۔۔ وہ اپنے بیٹے کے خون پر بھی قدم رکھنے کی جرأت نہیں کر پا رہا تھا۔۔۔ اُس کے اندر داخل ہوتے ہی سیکورٹی آفیشلز اُس کے پیچھے اندر گُھسے تھے اور اُنہوں نے دروازہ فوری طور پر بند کیا اور پھر جیسے سکون کا سانس لیا۔

اُسے کہاں لے کر گئے ہیں؟" سالار نے کھوکھلی آواز کے ساتھ کہا تھا۔

"ہمیں نہیں پتہ سر"" اُن میں سے ایک نے جواب دیتے ہوئے 7th Floor کا بٹن پریس کر دیا۔

"مجھے حمین کے پاس جانا ہے۔" وہ چِلّایا تھا۔ وہ دونوں خاموش رہے۔ لفٹ برق رفتاری سے حرکت میں تھی۔

☆☆☆☆

http://paksociety.com

حمین کے کمرے کے کُھلے دروازے میں حمین کھڑا تھا۔ اُس کی سفید شرٹ خون آلود تھی اور وہ سیاہ کوٹ بھی اُس کے جسم پر نہیں تھا جو وہ پہن کر گیا تھا۔ وہ بے حس و حرکت بیٹھی اُسے دیکھتی رہی۔ سکرین پر ابھی بھی اُس پر ہونے والے حملے کی تفصیلات چل رہی تھیں۔ اور وہ اپنے پیروں پر کھڑا اُسے دیکھ رہا تھا۔ امامہ اُٹھی۔۔۔ دوبارہ بیٹھ گئی۔۔۔ اُس کی خون آلود شرٹ اُس کی جان نکال رہی تھی اور اُس کا اپنے پیروں پر کھڑا وجود اُسے زندگی بخش رہا تھا۔

وہ ایک بار پھر اُٹھی اور بھاگتے ہوئے اُس نے جاکر حمین کو اپنے ساتھ لپٹایا تھا۔

میں ٹھیک ہوں ممّی۔۔۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ وہ کہہ رہا تھا۔

بابا کہاں ہیں؟" اُس نے امامہ سے اگلا سوال کیا تھا اور امامہ کو پہلی بار سالار کا خیال آیا۔ تب ہی دروازہ دوبارہ دھڑ دھڑایا گیا اور وہ اپنے قدموں پر چلتا دروازے تک گیا اور اُس نے دروازہ کھول دیا۔ اُس کے بالکل سامنے سالار سکندر کھڑا تھا۔ چند لمحوں کے لئے باپ بیٹا ایک دوسرے کو دیکھ کر فریز ہوئے تھے۔ پھر سالار آگے بڑھا اور شادیٔ مرگ سی کیفیت میں اُس نے حمین کو لپٹایا تھا۔ زندگی میں پہلی بار حمین سکندر نے سالار سکندر کی گرفت کو اتنا سخت پایا تھا کہ اُسے لگا اُس کا دم گُھٹ جائے گا۔ اُسے اپنی گردن کی پشت سے بہتے خون کی اتنی تکلیف نہیں ہوئی تھی جتنی اپنے گالوں کو نم کرتے سالار کے آنسوؤں سے۔۔۔

سالار کے خاندان میں سے اُس کا جانشین کون ہوگا اُس کی پشت سے بہتا خون اُس کا اعلان کر رہا تھا۔

بابا میں ٹھیک ہوں۔۔۔ آئیں دوبارہ چلتے ہیں کانفرنس ہال میں۔" سالار نے اپنے کانوں میں مستحکم آواز میں کہی ہوئی ایک سرگوشی سُنی تھی۔

☆☆☆☆

وہ افریقہ کی تاریخ کا یادگار ترین دن تھا جب کئی سالوں بعد تاریخ ایک بار پھر دہرائی جا رہی تھی۔

بینکوئیٹ ہال میں تمام delegates ایک بار پھر اپنی سیٹوں پر براجمان تھے۔ خوف و ہراس کی ایک عجیب سی فضا میں بے حد ناخوش مگر کانفرنس جاری تھی۔۔۔ کینسل نہیں ہوئی تھی۔ اُس کھڑکی کا وہ شیشہ اُسی طرح ٹوٹا ہوا تھا مگر اب سامنے والی بلڈنگ سیکورٹی آفیشلز کے حصار میں تھی۔ کانفرنس ایک گھنٹہ کی تاخیر سے اب دوبارہ شروع ہونے جا رہی تھی۔

سالار سکندر اور حمین دونوں امامہ کے کمرے میں تھے۔ میڈیکل ٹیم حمین کو فرسٹ ایڈ دے چکے تھے، اور فرسٹ ایڈ دینے کے دوران اُنہیں پتہ چلا تھا کہ گولی اُس کی گردن میں نہیں گئی تھی۔ وہ اُس کی گردن کی پشت پر رگڑ کھاتی اور جلد اور کچھ گوشت اُڑاتے

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

ہوئے گزر گئی تھی۔۔۔اُس کی گردن پر تین انچ لمبا اور آدھ انچ گہرا ایک زخم بناتے ہوئے۔۔۔میڈیکل ٹیم نے اُس کی بینڈیج کی تھی اور پین کلر لگا کر اُس کے اس زخم کو کچھ دیر کے لئے سُن کیا تھا تاکہ وہ کانفرنس اٹینڈ کر سکتا۔ اُسے blood لگنا تھا لیکن وہ فوری طور پر اُس کے لئے تیّار نہیں ہوا تھا۔ اس وقت اُس کے لئے اہم ترین چیز اُس کانفرنس ہال میں دوبارہ بیٹھنا تھا۔۔۔اُن لوگوں کا دکھانا تھا کہ وہ اُنہیں گرا نہیں سکے۔۔۔ڈرا بھی نہیں سکے۔

سالار سکندر اُس سے پہلے کمرے سے نکلا تھا اور اب کپڑے تبدیل کرنے کے بعد حمین سکندر امامہ سے گلے مل رہا تھا۔ امامہ نے اُسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔۔۔وہ سالار سکندر کا بیٹا تھا، اُسے کون روک سکتا تھا۔۔۔اُس نے صرف اُسے گلے لگایا تھا، ماتھا چوما تھا اور دروازے پر رخصت کر دیا تھا۔

اُس لفٹ کا دروازہ 10:40 پر ایک بار پھر کُھلا تھا۔۔۔اس بار حمین سکندر کے ساتھ سیکورٹی کا کوئی اہلکار نہیں تھا صرف اُس کے اپنے سٹاف کے لوگ تھے۔ اُس کے لفٹ سے کوریڈور میں قدم رکھتے ہی وہاں تالیوں کا شور گونجنا شروع ہوا تھا۔ وہ پریس فوٹوگرافرز اور اُس کوریڈور میں کھڑے سیکورٹی اہلکار تھے جو اُسے اُس دلیری کی داد دے رہے تھے جو وہ دکھا رہا تھا۔۔۔لمبے ڈگ بھرتے اُس نے ٹوٹے شیشے والی اُس کھڑکی کو بھی دیکھا جو ہال کے داخلی دروازے کے بالکل سامنے ایک عجیب سا منظر پیش کر رہی تھی، اگرچہ اُس کے سامنے اب سیکورٹی اہلکاروں کی ایک قطار رہتی تھی۔

تیز قدموں سے لمبے ڈگ بھرتا حمین سکندر جب ہال میں داخل ہوا تھا تو ہال میں تالیاں بجنی شروع ہوئی تھیں، پھر وہاں بیٹھے وفود اپنی اپنی سیٹوں سے کھڑے ہو گئے تھے۔

حمین سکندر مسکراتا، سر کے اشارے سے اُن تالیوں کا جواب دیتا سٹیج کی طرف بڑھ رہا تھا اور سٹیج پر بیٹھے ہوئے لوگ آہستہ آہستہ کھڑا ہونے شروع ہوئے تھے اور پھر حمین نے سالار سکندر کو کھڑا ہوتے دیکھا تھا۔ حمین چلتے چلتے رُک گیا تھا۔۔۔وہ اُس کے باپ کی طرف سے اُس کی تعظیم تھی جو اُسے پہلی بار دی گئی تھی۔ ایک لمحہ ٹھٹھکنے کے بعد حمین سکندر نے سٹیج کی سیڑھیاں چڑھنا شروع کر دیا تھا۔

دنیا بھر کے TV چینلز وہ مناظر live دکھا رہے تھے۔۔۔دلیری کا ایک مظاہرہ وہ تھا جو دنیا نے کئی سال پہلے اسی افریقہ میں سالار سکندر کے ہاتھوں دیکھا تھا، جرأت کا ایک مظاہرہ وہ تھا جو آج اسی افریقہ میں وہ حمین سکندر کے ہاتھوں دیکھ رہے تھے۔

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

سٹیج پر اب TAI اور SIF کے دونوں سربراہان مل رہے تھے اور اُس memorandum پر دستخط کر رہے تھے جس کے لئے وہ وہاں آئے تھے اور پھر اُس کے بعد حمین سکندر نے تقریر کی تھی۔۔۔ اُس ہی آخری خطبے سے اپنی تقریر کا آغاز کیا تھا جس کا حوالہ کئی سال پہلے اُس کے باپ نے افریقہ کے سٹیج پر دیا تھا۔

"بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہے بادشاہی اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔" اُس نے سورۃ ملک کی آیات سے اپنی تقریر کا آغاز کیا۔

وہ ذات جس نے پیدا کیا موت اور زندگی کو تاکہ آزمائش کرے تمہارے کہ کون تم میں سے زیادہ اچھا ہے عمل میں۔۔۔ اور وہ ہے زبردست، بے انتہا۔۔۔ معاف فرمانے والا۔

اُس ہال میں سوئی گرنے جیسی خاموشی تھی۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کرنے پر قادر ہے جو کُن کہتا ہے تو چیزیں ہو جاتی ہیں، جو دشمنوں کی چالیں اُن ہی پر اُلٹا دیتا ہے۔

کئی سال نے سود کے خلاف اپنی پہلی جدوجہد افریقہ سے شروع کی تھی، یہ وہ زمین تھی جس پر میرے باپ نے ایک سودی نظام کے آلہ کار کے طور پر کام کرتے ہوئے سود کے خلاف کام کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔۔۔ اُس سود کو جسے آخری خطبہ میں نبی آخرالزمان ﷺ نے حرام قرار دیا تھا اور اُس آخری خطبے میں یہ صرف سود نہیں تھا جس کے خاتمے کا فیصلہ کیا گیا تھا، یہ مساوات بھی تھی جس کا حکم دیا گیا تھا۔۔۔ انسانوں کو اُن کے رنگ، نسل، خاندانی نام و نسب کے بجائے صرف اُن کے تقویٰ اور پارسائی پر judge کرنے کا۔۔۔ SIF اور TAI آج اُس ہی مشن کو آگے بڑھانے کے لئے دنیا کے سب سے بڑے گلوبل فنڈ کا قیام عمل میں لایا ہے۔۔۔"

وہ بات کر رہا تھا اور پوری دُنیا سُن رہی تھی۔۔۔ وہ آخری نبی ﷺ کا حوالہ دیتا ہوا بات کر رہا تھا اور وہ پھر بھی سُننے پر مجبور تھے۔۔۔ کیونکہ وہ باعمل بہترین مسلمان تھے جن کے قول و فعل میں دُنیا کو تضاد نظر نہیں آرہا تھا۔ جو طاقت ور تھے تو دُنیا اُن کے مذہب کو بھی عزّت دے رہی تھی اور اُس مذہب کے پیغام بر کو بھی۔۔۔

وہ ایک گولی جو دُنیا کی تاریخ بدلنے آئی تھی وہ کاتبِ تقدیر کے سامنے بے بس ہو گئی تھی۔۔۔ تاریخ ویسے ہی لکھی جا رہی تھی جیسے اللہ تعالیٰ چاہتا تھا اور وہ ہی لکھ رہے تھے، جن کو اللہ نے منتخب کیا تھا۔ بے شک طاقت کا سرچشمہ اللہ ہی کی ذات ہے جس کی محبت وہ آبِ حیات ہے جو زندگی کو دوام بخشتا ہے اس دُنیا سے اگلی دُنیا تک۔

☆☆☆☆

http://paksociety.com

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

ترپ کا پتّہ

2040

امریکہ کے اُس اسپتال کے نیورو سرجری ڈپارٹمنٹ کے آپریشن تھیٹر میں ڈاکٹر جس شخص کا دماغ کھولے بیٹھے تھے وہ آبادی کے اُس 2.5 فیصد حصّہ سے تعلق رکھتا تھا جو 150، I.Q Level کے ساتھ غیر معمولی صلاحیتوں کے حامل تھے۔

وہ آپریشن آٹھ گھنٹہ سے ہو رہا تھا اور ابھی مزید کتنی دیر جاری رہنا تھا، یہ کسی کو اندازہ نہیں تھا۔ ڈاکٹرز کی اس ٹیم کو lead کرنے والا ڈاکٹر دُنیا کے قابل ترین سرجنز میں سے ایک مانا جاتا تھا۔ آپریشن تھیٹر سے منسلک ایک گلاس روم میں سرجری ریذیڈنٹس اس وقت جیسے سحر زدہ معمول کی طرح اس ڈاکٹر کے چلتے ہوئے ہاتھوں کو بڑی سکرین پر دیکھ رہے تھے جو اُس کھلے ہوئے دماغ پر یوں کام کر رہا تھا جیسے کسی pianist کی انگلیاں ایک پیانو پر۔ وہ اپنی مہارت سے سب کو مسمرائزڈ کئے ہوئے تھا سوائے اس ایک شخص کے جس کی زندگی اور موت اس وقت اس کے ہاتھ میں تھی۔

آپریشن کے دوران وہ نیورو سرجن چند لمحوں کے لئے رُکا تھا۔ ایک نرس نے بنا کہے اُس کے ماتھے پر اُبھرنے والے قطروں کو ایک کپڑے سے خشک کیا۔ وہ شخص ایک بار پھر اپنے سامنے آپریشن تھیٹر کی ٹیبل پر پڑے ہوئے اُس دماغ پر جھکا جو دُنیا کے ذہین ترین دماغوں میں سے ایک تھا اور جو ایک گولی کا نشانہ بننے کے بعد اُس کے سامنے آیا تھا۔ دُنیا کی اہم ترین پوزیشنز پر فائز رہنے والے اس شخص کے لئے اس ایمرجینسی میں اُسے بلوایا گیا تھا۔ وہ سرجن اب تک 270 اہم اور نازک ترین کامیاب سرجریز کرنے کے بعد اس وقت امریکہ کی تاریخ کا کم عمر اور سب سے قابل سرجن تھا۔ لیکن آج پہلی بار اُسے لگ رہا تھا کہ اُس کا وہ 100Percent کامیابی کا

ریکارڈ ختم ہونے والا تھا۔ وہ ایک بار پھر گہری سانس لے کر ٹیبل سے ہٹا۔ اُسے کسی چیز کی ضرورت پڑی تھی اس آپریشن میں کامیابی کے لئے۔

ختم شُد

عُمیرہ احمد کا اختتامی نوٹ نیچے مُلاحظہ فرمائیں، آپکے تبصروں کا انتظار رہے گا

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com
http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

پیرِ کامل ﷺ سے آبِ حیات تک

آبِ حیات آج آپ کے سامنے اپنا دو سالہ سفر ختم کر رہا ہے اور میرے لئے یہ ضروری تھا کہ میں آپ سب کا شکریہ ادا کرتی جو اس دو سالہ سفر میں چاہے تعریف چاہے تنقید لیکن میرے ساتھ جڑے رہے۔ کوئی بھی رائٹر یقیناً اپنی لکھی ہوئی تحریروں سے ہی بڑا بنتا ہے لیکن میرا خیال ہے وہ اُن تحریروں کی عوامی پذیرائی سے بہت بڑا بن جاتا ہے۔

میرا 18 سالہ کیریئر کبھی اتنا لمبا نہ ہوتا اگر مجھے اور میری تحریروں کو آپ سے پذیرائی اور محبت نہ ملتی...... میرے اس ٹیلنٹ کو جلا آپ کی حوصلہ افزائی اور داد نے دی، میں اس کے لئے آپ کی بہت ممنون ہوں...... میں خواتین ڈائجسٹ کی انتظامیہ کی بھی بہت ممنون ہوں جنہوں نے دو سال اس ناول کو بڑے اہتمام سے شائع کیا۔

پیرِ کامل ﷺ کا دوسرا حصہ لکھنا کتنے بڑے دل گردے کا کام تھا، اس کا اندازہ مجھے لکھنے کے دوران نہیں، آبِ حیات کی اشاعت کے دوران ہوا۔ ہم ہیرو اور ہیروئن نہیں بناتے، بُت بناتے ہیں اور پھر یہ ماننے پر تیار نہیں ہوتے کہ اُن سے غلطی ہو سکتی ہے۔ Judgements کی بھی...... اور ترغیباتِ نفس کی بھی...... آبِ حیات میں میں نے پیرِ کامل ﷺ کے "کامل" انسانوں کو زندگی کے تجربات اور چیلنجز سے نبرد آزما دکھایا...... کبھی ہارتے، کبھی جیتتے دکھایا...... لیکن ہمیشہ "سیکھتے" دکھایا...... اور یہ سفر وہ ہے جو ہم سب کرتے ہیں...... ہر "کامل" بن جانے والا انسان بھی......

2003 میں پیرِ کامل ﷺ ایک بہت متنازعہ موضوع پر لکھا جانے والا ناول تھا جو آج بھی بہت سے ادبی حلقوں میں شدید تنقید کا شکار ہوتا ہے۔

آبِ حیات اس دہائی کے بہت سے متنازعہ ایشوز پر لکھی جانے والی کتاب ہے۔ اُن بڑے چیلنجز پر جو مسلم اُمّہ کو درپیش ہیں...... اُن چھوٹے چیلنجز پر جو ہم سب کو اپنی نجی اور معاشرتی زندگی میں درپیش ہیں۔ میں اس بات پر مکمل یقین رکھتی ہوں کہ زندہ رہ جانے والی کتابیں وہ نہیں ہوتیں جنہیں ہر کوئی صرف داد دے اور اس میں سے کوئی ایک بھی قابلِ اعتراض یا قابلِ بحث بات نہ نکال سکے۔

زندہ رہ جانے والی کتابیں وہ ہوتی ہیں جو پڑھنے والوں کو اگر ایک طرف داد دینے کے لئے مجبور کرتی ہیں تو دوسری طرف الجھاتی بھی ہیں، اور اعتراض اور اختلاف کرنے پر بھی مجبور کرتی ہیں اور میری ہر کتاب کی طرح یہ کام آبِ حیات نے بھی کیا۔ اس کا status آنے والے سالوں میں کیا ہوگا، یہ صرف اللہ رب

العزت ہی کو معلوم ہے۔

بہت سے قارئین کو تڑپ کا پتہ شاید الجھا دے.....آبِ حیات کی کہانی ''تبارک الذی'' پر ختم ہو رہی ہے، مگر تڑپ کا پتہ وہ چیلنجز ہیں جو کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ایک اور دہائی میں چند اور کردار زندگی میں کچھ اور چیلنجز کے ساتھ اور زندگی نسل در نسل یونہی چلتی رہے گی۔ ہر دہائی میں کچھ لوگ ان چیلنجز پر پورا اتریں گے، اور ہر دہائی میں کچھ لوگ آبِ حیات پی کر لازوال بنتے رہیں گے۔

عمیرہ احمد

ALIF KITAB
www.alifkitab.com info@alifkitab.com /alifkitab